مردِ مومن

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

مردِ مؤمن

ڈاکٹر محمدؐ میاں صدیقی

پروگیسیو بکس۔ لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق طباعت بحق مصنف محفوظ ہیں

85020

طبع دوم : نومبر ۱۹۹۷ء
تعداد ایک ہزار
زیر اہتمام : جواد رسول
مطبع : مارشل پرنٹنگ پریس، صدر، راولپنڈی
قیمت : ۱۶۵/- روپے

— ناشر —

پروگیسیو بکس ۴۰ بی اردو بازار لاہور
ملت پبلی کیشنز فیصل مسجد اسلام آباد

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین

(آل عمران: ۱۳۹)

اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو

Marfat.com

Marfat.com

انتساب

اُن لوگوں کے نام ــــــ جو اللہ پر ایمان لائے. نیک عمل کیئے. اور اپنے رَب کے آگے عجز و انکسار کی تصویر بنے رہے۔

ان لوگوں کے نام ــــــ جن کے آگے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل نرم پڑ جاتے ہیں ــــــ اور

جب اُن کے سامنے اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے تو اُن کے گلستانِ ایمان میں بہار آجاتی ہے۔

اُن مومن بھائیوں کے نام ــــــ جو مشرق و مغرب کی وسعتوں میں اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے مصروف جہاد ہیں۔

اُن مومنوں کے نام جن کے مال اور جانیں اللہ نے جنت کے عوض خرید لیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں. کبھی دوسروں کو مارتے ہیں اور کبھی خود اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کر دیتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

عنوانات

مقدمہ ۱۱

باب:۱ مقصد حیات
مقصد کی ضرورت ۲۰
خالق انسان کا معین کردہ مقصد ۲۴

۳- باب:۲ ایمانیات (عقائد)
عمل کی اصلاح دل کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں ۳۳
ایمان تمام اعمال کی بنیاد ہے ۳۴
توحید ۳۵
کامل اور خالص توحید ۳۶
مشرکین کا عقیدہ ۴۲
نبوت و رسالت ۴۶
رسول کون ہوتا ہے ۴۷
رسول پر ایمان ایک عقیدے پر جمع ہونے کا ذریعہ ۵۰
آخرت ۵۱
جزا اور سزا کا طریقہ ۵۲
جزا اور سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دی جاتی ۵۵
خدائی شان اور اس کے جلال و جمال کے ظہور کے لیے بھی آخرت کی ضرورت ہے ۵۶
عقیدہ آخرت کا اثر انسان کی زندگی پر ۵۶

Marfat.com

۴- باب ۳: ارکان اسلام

توحید و رسالت کا اقرار	۶۴
نماز	۶۵
نماز کیا ہے	۶۶
نماز کے انفرادی فوائد	۶۸
نماز کے اجتماعی فوائد	۶۹
نماز کے ضروری احکام	۷۰
زکوۃ	۷۱
فرضیت زکوۃ	"
زکوۃ واجب ہونے کی شرطیں	۷۲
زکوۃ کی اہم خصوصیات	۷۳
احکام زکوۃ	۷۶
مصارف زکوۃ	"
حج	۷۷
روزہ	۸۰
روزہ کے فضائل	۸۱
روزہ کے اجتماعی فوائد	۸۳
روزہ اور نزول قرآن	۸۴
متفرق مسائل	۸۰
مسافر کا روزہ	"
حاملہ عورت کا روزہ	"
جنگی مہم میں فوجیوں کا روزہ	۸۶
بچہ رمضان میں بالغ ہو جائے؟	"
کافر مسلمان ہو جائے	"
شیخ فانی کا روزہ	"

Marfat.com

باب: ۴ اخلاق حسنہ ۹۳

باب: ۵ صفات مومنین ۱۰۳

باب: ۶ معاملات اور معاشرت ۱۳۲

باب: ۷ معمولات نبوی ۱۴۳
معمولات خطبہ ۱۴۷
معمولات سفر ۱۴۸
معمولات جہاد ۱۵۰
معمولات عیادت و تعزیت ۱۵۱
معمولات ملاقات ۱۵۲
کھانے پینے کے معمولات ۱۵۳
کھانے سے پہلے اور بعد میں کیا کہنا چاہیے ۱۵۷
پھل وغیرہ کھانا ۱۵۸
مشروبات ۱۵۹

۹- باب: ۸ جہاد فی سبیل اللہ ۱۶۵
ازن جہاد ۱۷۲
آداب جہاد ۱۸۱
اسلامی جہاد کا ناقابل تسخیر سامان ۱۸۸
رباط یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت ۱۹۳
بلیک آؤٹ ۱۹۴
جہاد فی سبیل اللہ

Marfat.com

۱۰- باب:۹ نصرت الٰہی کے تقاضے ۲۰۷
تین وعدے
حواشی و حوالہ جات ۲۰۸
مراجع و مصادر

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ:

آج اگر کسی صاحب عقل و خرد سے سوال کیا جائے کہ اولاد آدم کا سب سے اہم فریضہ' اور سب سے بڑی ذمہ داری کیا ہے۔؟ تو میرا خیال ہے کہ اس کا جواب یہی ہو گا کہ انسان اپنی تمام تر توجہ اور غور و فکر کا مرکز اپنی ذات کو بنائے۔ اور یہ دریافت کرنے کی کوشش کرے کہ موجودہ اخلاقی انحطاط' اور ذہنی و فکری افلاس کا بنیادی سبب کیا ہے۔؟ ہم اخلاقی حیثیت سے کیوں گرتے جا رہے ہیں۔ اور دنیا کی قوموں میں شرافت و نجابت کی صفات کیوں گم ہوتی جا رہی ہیں۔؟

بات یہ ہے کہ آج سے کم و بیش دو سو برس پہلے تہذیب جدید نے دنیا کا چارج سنبھالا' اس نے انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان فرض کیا' اور اس کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کیا کہ اس کا کسی غیبی سرچشمے' اور کسی بالاتر ہستی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے زیادہ سے زیادہ اس بات کی کوشش کی کہ انسان کا خارجی دنیا سے متعلق مضبوط و مستحکم ہو۔ اور وہ دنیا میں بکھری ہوئی طاقتوں کو مسخر کر کے اپنی زندگی کا سفر زیادہ سے زیادہ آسان اور پر آسائش بنا سکے۔ اس نے ہر ایسی صلاحیت' اور ہر ایسے شعبے کو حقارت کی نظر سے دیکھا' جس کے بارے میں اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ براہ راست اس مقصد کے لئے کار آمد نہیں ہے۔

اس انداز فکر کا یہ قدرتی اور منطقی نتیجہ نکلا کہ دنیا نے تو ترقی کی منزلیں طے کیں۔ لیکن وہ انسان پیچھے ہٹتا چلا گیا جس کے لئے یہ دنیا پیدا کی گئی تھی' اور جو تخلیق کائنات کا مقصد تھا۔ انسان ان تمام باطنی صفات و کیفیات سے محروم ہوتا جا رہا ہے جس کی بنیاد پر وہ اشرف المخلوقات قرار پایا تھا۔ اور اس دنیا میں اللہ نے اسے اپنا

Marfat.com

خلیفہ مقرر کیا تھا۔

صورت حال یہ ہے کہ یہ دنیا دن بدن سرسبز و شاداب ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن انسان کے اندر جو جہاں آباد ہے وہ ویران ہوتا جارہا ہے' وہ اپنے سے باہر فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہا ہے۔ اس کے گردو پیش مادی کامرانیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں' مگر اس کے اپنے اندر شکست و ریخت کا عمل جاری ہے۔ وہ بڑے سے بڑے سرکشوں کو زیر کر رہا ہے۔ لیکن اپنی ذات میں چھپے ہوئے نفس کے آگے سرنگوں ہے۔

تہذیب جدید' اور دنیا کی نئی فکری قیادت نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور کوششیں اس کائنات کی طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے' اور آلات و وسائل کو پیدا کرنے پر صرف کیں' اور اس نے اپنی اس محنت کا صلہ پا لیا۔ لیکن انسان اس کے مسلسل تغافل کا شکار ہو کر اخلاقی اور روحانی انحطاط کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ تہذیب نو اور مادی ترقی کی یہ فراخ قبا اس کے نحیف ولاغر جسم پر چست نہیں ہو رہی ہے۔ جس تناسب کے ساتھ اسے اپنے اخلاق' ضبط نفس' جذبہ خدمت' اور یقین و اعتماد میں ترقی کرنی چاہیے تھی' اس نے نہیں کی۔ بلکہ وہ برابر پیچھے ہٹتا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی اصلاح و تربیت کے لئے دنیا میں بھیجا' ان حضرات نے اپنی دعوت و محنت کا موضوع انسان کو بنایا' انبیاء علیہم السلام کی بصیرت پر اللہ نے یہ نکتہ فاش کیا کہ اس دنیا کی آبادی اور ویرانی کا فیصلہ انسان کی ذات سے وابستہ ہے' اگر حقیقی انسان موجود ہے تو یہ دنیا اپنی تمام تر ویرانیوں کے باوجود آباد و معمور ہے۔ اور اگر حقیقی انسان موجود نہیں تو یہ دنیا اپنی ساری رونقوں اور پورے سازو سامان کے ساتھ بھی ایک ویرانے اور خرابے سے بہتر نہیں۔

انسان اپنی عظمت' اپنی مرکزیت' اور حکیمانہ فکرو ذہن کے اعتبار سے اس بات کا کہیں زیادہ مستحق ہے کہ اس کو سعی و محنت' اور توجہ و خدمت کا مرکز و موضوع بنایا جائے۔ یہ کائنات بظاہر بہت پر اسرار' حسین و جمیل اور طویل و عریض ہے۔ لیکن انسان کے مخفی اسرار و عجائب' اس کی غیر محدود علمی و عملی صلاحیتوں' اور فکرو ذہن

Marfat.com

کی بلندیوں کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں- ایسی کئی دنیائیں اس کے قلب و نظر کی وسعتوں میں گم ہو جائیں- اس کے حسن سیرت کے آگے دنیا کا ہر حسن ماند ہے- اس کے عزم و ارادے کے آگے ہر طاقت سرنگوں ہے- اس انسان میں صحیح یقین' صحیح خواہش' اور بہترین اخلاق کا پیدا کرنا' اور اس سے اللہ کی خلافت و نیابت کا کام لینا انبیاء کا بنیادی مقصد ہے- ہر نبی نے اپنے دور میں یہ مقصد پورا کیا' اور ایسے افراد تیار کئے جنہوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی' اور اس زندگی کو بامعنی بنایا جو انسان کی خود فراموشی اور غلط اندیشی سے بے معنی ہو گئی تھی- انبیاء کے ان کارناموں میں سب سے روشن کارنامہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے- مردم سازی اور آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے جو کامیابی آپؐ کو عطا کی وہ آج تک نسل انسانی کے کسی فرد کو حاصل نہیں ہو سکی- آپؐ کی تربیت سے جو افراد تیار ہوئے ان میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے' اور نسل انسانی کے فخرو امتیاز کا باعث' جو جماعت آپؐ نے تیار کی' پیغمبروں کو چھوڑ کر پوری نسل انسانی میں اس سے زیادہ حسین و دل کش تصویر کوئی نظر نہیں آتی-

اس جماعت کے افراد نے زندگی کے ہر محاذ پر بہترین صلاحیت' اور احساس ذمہ داری کا بھرپور مظاہرہ کیا- اس جماعت کے کسی فرد کو اگر عدالت کی کرسی پر بٹھایا گیا تو اس نے ترازو کے تول فیصلہ کیا' اگر فوجوں کی کمان اس کے سپرد کی گئی تو اس نے اپنی بہادری اور جنگی قابلیت کا لوہا منوایا' اگر مال دار تھا تو سخی اور غنی شاکر' اور اگر ضرورت مند تھا تو خوددار اور صابرو قانع- کسی کو منصب سونپا تو بھی نگاہیں نیچی رہیں- عجزو انکسار کی تصویر بنا رہا' منصب سے ہٹایا تو پیشانی پر شکن تک نہیں آئی-

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے جو افراد تیار کئے ان میں سے ہر ہر فرد ایسا تھا کہ اگر تاریخ ان کے کردار کی گواہی نہ دیتی' اور دنیا اس کی تصدیق نہ کرتی تو ایک شاعرانہ تخیل اور فرضی افسانہ معلوم ہوتا- لیکن یہ تاریخ کی ایسی حقیقت ہے جسے کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی جھٹلا نہیں سکا-

Marfat.com

تعلیمات نبوی سے آراستہ ہو کر جو مردِ مومن دنیا کے سامنے آیا' حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اس کا نقشہ یوں کھینچا۔

خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولیٰ صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
نرم دمِ گفتگو' گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاک باز
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساقیِ اربابِ ذوق' فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رحیق' تیغ ہے اس کی اصیل

پھر دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کا یہ کارنامہ زمانۂ بعثت یا پہلی صدی ہجری کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کی تعلیمات نے' اور آپؐ کے صحابہ نے زندگی کے جو نمونے چھوڑے تھے وہ مسلمانوں کی بعد میں آنے والی نسلوں میں بھی ایسے عظیم انسان پیدا کرتے رہے جن کی عظمت شک و شبہ سے بالا ہے۔ تاریخ ان کے حسن کردار اور مکارم اخلاق کی جو تصویر آنے والی نسلوں کو دکھاتی ہے وہ بلاشبہ حیران کن ہے۔ انہوں نے انسانی شرف و امتیاز کی ان بلندیوں کو چھوا جہاں پہنچ کر ایک فرد کا یقین لاکھوں افراد کے دلوں کو یقین کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے' ایک فرد کے سینے میں سلگتی ہوئی عشق کی چنگاری لاکھوں افراد کے سینوں کو عشق کی سوزش سے گرم کر دیتی ہے۔ ایک شخص کا اخلاق اور عفو و درگزر کی قوت' خوں خوار دشمنوں کو جاں نثار' اور حیوان صفت انسانوں کو نرم خو اور نرم دل انسان بنا دیتی ہے۔

یہ خاکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیوں میں اتنا گہرا اور نمایاں

Marfat.com

تھا کہ خود اللہ نے اس کی گواہی دی۔

محمد رسول اللہ' والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم' تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا' سیماھم فی وجوھم من اثرالسجود (القرآن' ۴۸/۲۹)۔

محمد اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت (اور نڈر) ہیں' اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے نرم دل ہیں' تم انہیں جب بھی دیکھو گے' رکوع و سجود' اللہ کے فضل اور اس کی خوش نودی کی طلب میں مشغول ہوں گے۔

اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ ہمہ وقت اللہ کے فضل' اور اس کی خوش نودی کے حصول میں مصروف یہ جماعت جنگلوں میں' یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر خاندان' معاشرے' اور عام لوگوں سے الگ تھلگ نہیں رہتی تھی' انہوں نے ایسی شکل و صورت نہیں بنائی تھی جس کے سبب وہ لوگوں سے مختلف اور ممتاز ہو جائیں۔ وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی خوش نودی عام انسانوں کی طرح اپنی ضروریات زندگی پوری کرتے ہوئے حاصل کرتے تھے۔ کسی نے کاروبار حیات کو چھوڑ کر جنگلوں اور غاروں کی راہ نہیں لی' کسی نے اپنے بیوی بچوں سے ترک تعلق نہیں کیا۔ عزیز و اقارب سے فرار کی راہ اختیار نہیں کی۔ اگر کسی نے ایسا کرنا چاہا تو حضور علیہ السلام نے ایسا کرنے سے روکا۔ اور فرمایا: اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے۔"

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مومن کی اصل پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کوئی خود ساختہ طریقہ نہیں اپناتا۔ بلکہ ایک عام انسان کی طرح اپنے معمولات زندگی کو پورا کرتے ہوئے اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہدایت' اور اس کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات' اور نمونۂ زندگی کے مطابق اپنے اقوال اور اعمال و افعال کو ڈھالتا ہے۔

اللہ کی آخری کتاب ہدایت' اور آخری رسول کی تعلیمات میں مرد مومن کا جو

Marfat.com

نقشہ کھینچا ہے۔ زیر نظر کتاب میں اسی کا ہلکا سا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ شاید ہم اسے لکھ کر، پڑھ کر، اور سمجھ کر ایسے مردِ مومن بن جائیں جو احکام قرآن، اور تعلیمات رسول پر عمل پیرا ہونے کے بعد وجود میں آتا ہے۔

محمد میاں صدیقی

اسلام آباد

جمادی الآخر ۱۴۱۴ھ

نومبر ۱۹۹۳ء

Marfat.com

باب : ۱

مقصدِ حیات

Marfat.com

Marfat.com

باب:۱

مقصد حیات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اتنی نعمتوں سے کہ انسان کے لئے ان کا شمار ممکن نہیں۔ "وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا" (۱) (گر تم ان نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکو گے)۔ لیکن ان ساری نعمتوں میں سب سے اہم اور عظیم نعمت' زندگی کی نعمت ہے۔ اگر بالفرض ساری نعمتیں موجود ہوں مگر انسان زندگی سے محروم ہو تو تمام نعمتیں بے کار ہیں۔ زندگی کے بغیر انسان بڑی سے بڑی نعمت سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ انسان زندہ ہو گا تو کسی نعمت سے یا نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور یہ زندگی کی نعمت ایسی ہے جو چند روزہ نہیں ہے' زندگی کو ہم "عمر" سے تعبیر کرتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی عمر پچاس برس ہوئی' فلاں نے ستر یا اسی سال عمر پائی' فلاں سو برس زندہ رہا۔ اس پچاس' ساٹھ یا سو سال کی عمر کو ہم زندگی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ انسان کی کل زندگی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی زندگی کا ایک چھوٹا سا حصہ یا مختصر سا دورانیہ ہے۔ اس حقیقت کو امام غزالی نے اس طرح بیان کیا کہ "انسان ازلی تو نہیں ہے مگر ابدی ہے" (۲) یعنی ہمیشہ سے نہیں ہے' مگر پیدا ہونے اور وجود کا جامہ پہننے کے بعد ہمیشہ رہے گا۔ وجود میں آنے کے بعد انسان کے لئے فنا نہیں ہے۔ ایک وطن اور ایک جگہ سے دوسرے وطن اور دوسری جگہ منتقل ہونے کا عمل ہے۔ انسان کی جگہ بدلتی رہتی ہے۔ مگر زندگی اس سے چھنتی نہیں ہے۔

پہلے عالم الست میں تھا' جب اللہ تعالیٰ نے پوری نسل آدم کو آدم کی پشت سے نکالا تو گویا عہد الست سے انسان کی زندگی کا آغاز ہوا' وہاں سے منتقل ہو کر شکم مادر میں آیا۔ لیکن فنا نہیں ہوا۔ ایک عرصہ وہاں رہا' اس کے بعد وہاں سے منتقل ہوا تو دنیا

Marfat.com

میں آیا' ایک مدت یہاں گزاری' یہاں کا عرصۂ قیام پورا ہوا تو ایک اور نقل مکانی ہوئی۔ عالم برزخ میں پہنچ گیا' وہاں بھی اسے زندگی سے نوازا گیا' وہاں پہنچتے ہی سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا' ظاہر ہے زندگی ہو گی' ہوش و حواس ہوں گے تو پوچھ گچھ ہوگی۔ کسی مردہ اور بے جان سے کچھ پوچھنا بے معنی سی بات ہے۔ پوچھنے والے بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے فرشتے ہوں گے۔ پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ ان کو جواب دینا ہو گا۔ جب تک اللہ کو منظور ہو گا وہ انسان کو عالم برزخ میں رکھے گا۔ جس طرح انسان کو دنیا میں اپنی مدت قیام کا علم نہیں۔ اسی طرح اسے عالم برزخ میں بھی اپنے عرصۂ قیام کی خبر نہیں۔ وہاں سے منتقل ہو گا تو پھر عالم حشر میں پہنچے گا۔ وہاں بھی زندگی موجود ہو گی۔ وہاں پیش آنے والے تمام احوال اور کیفیات کا اسے علم ہو گا۔ وہاں سے بھی نقل مکانی ہو گی۔ جو دنیا میں صاحب ایمان تھے وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے' اور جو کافر و مشرک تھے انہیں دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہاں پہنچنے کے بعد پھر کسی اور جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا۔ ہمیشہ یہیں رہے گا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ انسان کا جب سے ظہور ہوا اس وقت سے وہ برابر سفر میں ہے' اور سفر کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس مقام پر پہنچ جائے جہاں اسے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہو گا' اور اس سے آگے اس کی کوئی منزل نہ ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان ازلی تو نہیں ہے مگر ابدی ضرور ہے۔ ایک مرتبہ جب اس کو وجود عطا کر دیا گیا تو پھر مٹتا نہیں ہے' فنا نہیں ہوتا باقی رہتا ہے۔ اس لئے انسان کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس کی زندگی دس بیس یا پچاس سو برس کی نہیں ہے۔ جس کو ہم کل زندگی سمجھ رہے ہیں' یہ ہماری ابدی اور لامحدود زندگی کا ایک معمولی' اور مختصر سا حصہ ہے۔

مقصد کی ضرورت

انسان اس دنیا میں جو زندگی گزارتا ہے' اس کا ایک حصہ ایسا ہے جو اس کے اختیار سے باہر ہے۔ انسان چاہے تب بھی گزرے گا اور نہ چاہے تب بھی گزر جائے گا۔ لیکن کچھ چیزیں اللہ نے انسان کے اختیار میں دی ہیں' اور کہا ہے کہ اپنے

Marfat.com

ارادے' اور اختیار سے زندگی کا نصب العین بناؤ۔ اس کا رخ اور مقصد متعین کرو۔ اور پھر اس مقصد اور نصب العین کے مطابق زندگی گزارو۔ اس لئے کہ مقصد کے بغیر جو زندگی گزاری جائے گی وہ احمقانہ اور مجنونانہ حرکت کہلائے گی۔ ایک دیوانے کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ لیکن دیوانگی کے ساتھ زندگی گزارنا ایک دانش مند آدمی کا کام نہیں' وہ کبھی اسے گوارا نہیں کرے گا۔ اس لئے زندگی کا کوئی مقصد بنانا ہو گا' جس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ سوچنا ہو گا کہ یہاں کیوں آئے۔ یہاں رہ کر کیا کرنا ہے۔ اور پھر جب یہاں سے اٹھ کر دوسری دنیا میں جاؤ گے تو وہاں کس طرح کے سازو سامان کی ضرورت ہو گی۔ وہاں کے لئے کیا رخت سفر تیار کرنا ہے؟ کیونکہ سامان سفر ساتھ لئے بغیر خالی ہاتھ سفر کے لئے نکل کھڑے ہونا' اور وہ بھی کٹھن اور دور دراز سفر کے لئے۔ مصیبت اور پریشانی مول لینے کے مترادف ہے۔ عقل مند اور دور اندیش مسافر وہی سمجھا جاتا ہے جو پوری طرح سامان سفر تیار کر کے گھر سے روانہ ہو۔ انسان ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتا ہے' اس میں بھی کوئی مقصد کار فرما ہوتا ہے۔ کسی مقصد کے بغیر آدمی گاڑی میں سوار نہیں ہو جاتا۔ تو وہاں انسان جو کائنات میں عقل و دانش کا سب سے بڑا دعوے دار ہے' چند گھنٹوں کا سفر بلا مقصد نہیں کرتا' وہ اگر ایک ایسا سفر بلا مقصد طے کرنا شروع کرے جو ہزاروں برس سے جاری ہے' اور آئندہ ہمیشہ جاری رہے گا' تو اس کا یہ عمل اس کی عقل و دانش کے خلاف ہو گا۔ عقل مند انسان وہی کہلائے گا جو اپنی زندگی کا مقصد متعین کر کے اپنے سفر کا آغاز کرے' اور منزلیں طے کرتا چلا جائے۔

مقصد اور نصب العین بھی نہ معمولی ہونا چاہیے اور نہ محدود اور مختصر۔ جب عمر اتنی لمبی لے کر آیا ہے۔ جو آئندہ کبھی ختم نہ ہو گی۔ ابدالآباد تک چلے گی' تو مقصد بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جو چند برسوں میں ختم نہ ہو۔ بلکہ ایسا ہو جو ہر مرحلے پر اور ہر منزل اور مقام میں پہنچ کر ساتھ دے۔ اس نے اگر ایک مرحلے پر ساتھ چھوڑ دیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کے بعد جو زندگی آئے گی وہ مقصد کے بغیر گزرے گی۔

Marfat.com

اس لئے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی جتنی عظیم نعمت ہے' اور جتنی طویل ہے' اتنا ہی عظیم اور طویل مقصد بھی ہونا چاہیے۔

دنیا میں مقاصد بہت ہیں۔ مثلاً زندگی کا ایک مقصد یہ ہے کہ ہمیں کھانے پینے کو ملے۔ روٹی کو ہم اپنا مقصد بنا لیں۔ یہ مقصد اور نصب العین تو ہے مگر ایسا مقصد جس کے لئے نہ کسی علم کی ضرورت' نہ ہنر کی اور نہ فضیلت کی۔ یہ مقصد علم و ہنر اور فضیلت کے بغیر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہے' جانور بھی کھاتے اور پیتے ہیں۔ کسی ایسی چیز کو زندگی کا مقصد قرار دینا جس کے لئے کسی قسم کے علم و ہنر۔ حتیٰ کہ عقل و شعور تک کی ضرورت نہ ہو' زندگی کی توہین ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ زندگی تو ہمیشہ کے لئے مل رہی ہے' اور مقصد وہ ٹھہرایا ہے جو چند برس میں ختم ہو جائے۔ جب آدمی کا تعلق اس دنیا سے ختم ہوا تو سارا کھانا پینا ختم' آئندہ جو زندگی شروع ہو گی وہ پھر بے مقصد رہ جائے گی۔ یا اس کے لئے کوئی نیا مقصد تلاش کرنا ہو گا۔

دولت کا حال بھی اسی طرح ہے اسے اگر مقصد ٹھہرائیں تو وہ بھی کوئی اعلیٰ اور پائیدار مقصد نہیں۔ دنیا میں انسان کی ضرورتیں پوری کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ کمانا' اور دولت حاصل کرنا بذات خود مقصد نہیں۔ اور اگر بالفرض بنا بھی لیا جائے تو یہ بھی روٹی کی طرح عالم دنیا تک ہی انسان کا ساتھ دے گا۔ اس دنیا سے روانگی ہوئی تو دولت نے انسان کو چھوڑ دیا' اور انسان اپنی تمام تر دولت و ثروت اور مال و جائداد کو چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

عزت' وجاہت اور عہدے میں بڑی کشش ہے۔ سرسری نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی برا مقصد نہیں۔ مگر جب سوچیں' غور کریں تو اس حقیقت کو پا لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی کہ انتہائی بے بنیاد مقصد ہے۔ لوگ اگر ہمیں اچھا سمجھیں تو ہم عزت والے ہوئے۔ کل کو لوگوں کا خیال بدل گیا تو ہماری عزت بھی ختم ہوئی۔ وہ بھی کیا مقصد ہوا جو خیال ہو۔ اور خیال بھی دوسروں کا۔

85020

Marfat.com

عہدے کا حال بھی اس سے مختلف نہیں- وہ بھی دوسروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے' جب چاہا دے دیا' اور جب چاہا چھین لیا' یہ بھی بڑی عجیب بات ہو گی کہ مقصد ہمارا مگر دوسروں کے اختیار میں-

جب دولت' عزت' عہدہ اور روٹی- کوئی بھی انسان کی زندگی کا مقصد نہیں ہو سکتی تو پھر مقصد کیا ہو؟- اور اس کا تعین کون کرے؟ - عقل کی طرف سے سب سے پہلا جواب یہ ملے گا کہ خود انسان اپنی زندگی کا مقصد معین نہیں کر سکتا- اس لئے کہ اس کا علم' اس کا ذہن' اس کی فکر' اس کی عقل- غرض یہ کہ اس کی ہر صلاحیت محدود ہے' وہ محدود دائرے میں گھرا ہوا ہے- اور اس کو اللہ نے زندگی کی صورت میں جو نعمت عطا کی ہے وہ غیر محدود ہے- تو محدود صلاحیتوں کا حامل' اور محدود دائرے میں کھڑا ہوا انسان غیر محدود چیز کا غیر محدود مقصد کیسے سوچ سکتا ہے؟- وہ اپنے تخیل کے دائرے میں وسیع سے وسیع تر چیز بھی سوچے گا یا تلاش کرے گا تب بھی وہ محدود ہو گی-

انسان کی زندگی کا مقصد وہی بتا سکتا ہے- جو خود بھی لا محدود ہو- ازل سے ہو' ابد تک رہنے والا ہو- اور وہ ذات واجب الوجود اللہ کی ذات ہے' جو انسان کا خالق ہے' مالک و رازق ہے' انسان کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے' ایک کیفیت' اور ایک جہاں سے منتقل کر کے دوسری کیفیت اور دوسرے جہاں میں لے جانے والا ہے' اور پھر انجام کار ایک ایسی دنیا میں لے جانے والا ہے جس کو فنا نہیں ہے- اس سے بہتر انسان کو' اس کی ضروریات کو اور اس کے احوال و کیفیات کو جاننے والا کوئی نہیں- خود قرآن کی گواہی ہے "الا یعلم من خلق' وھوا للطیف الخبیر" کہ کیا انسان کو وہ نہیں جانتا جس نے اسے پیدا کیا' حقیقت میں تو جاننے والا وہی ہے- ہم اپنی ذات سے اور اپنی ضروریات سے اتنے واقف نہیں جتنا ہمارا خالق ہے- اس لئے ضروری ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد اور نصب العین وہی معین کرے جو ہمارا خالق ہے- وہی ہمارے اول و آخر سے واقف ہے' وہی ہمارا صحیح اور بے داغ مقصد متعین

Marfat.com

کر سکتا ہے۔

خالق انسان کا معین کردہ مقصد

انسان کے خالق نے انسان کے لئے ایک مقصد اور نصب العین معین کیا' جس کو جامع تر انداز میں اس طرح بیان کیا۔ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (۴)۔ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ گویا انسانی زندگی کا مقصد یہ معین ہوا کہ وہ اللہ کی بندگی اور اطاعت کریں۔ اطاعت اور عبادت کے لفظ سے ذہنوں میں یہ خیال نہ ابھرے کہ اللہ نے اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دے دیا کہ بس' اب جا کے مسجد میں بیٹھ جاؤ۔ کوٹھی بنگلہ بھی چھوڑو۔ اچھے لباس' اچھی رہائش' اچھے کھانے پینے' اور اچھی سواری کو خیرباد کہہ دو۔ مسجد کا راستہ لو۔ عبادت تو وہاں ہو گی۔ تو میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ یہ غلط تخیل ہے۔ اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو کسی بھی مرحلے پر مایوس نہیں کرتا' خواہ وہ کسی بھی دائرے میں رہے۔ وہ کسی شخص سے یہ نہیں کہتا کہ آج تم جس دائرے میں ہو اسے چھوڑ کر فلاں دائرے میں داخل ہو گے تو مجھ تک پہنچ سکو گے' میری رضا اور خوشنودی حاصل کر سکو گے' ورنہ نہیں۔

ایک آدمی اگر دولت مند ہے تو اسلام ہرگز اس سے یہ نہیں کہے گا کہ تم اپنی ساری دولت ختم کر دو۔ لوگوں میں بانٹ دو' خود ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔ بلکہ اسی دولت کو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ۔ دولت والے کو یہ بتائے گا کہ اسے کیسے کماؤ' اور کیسے خرچ کرو۔ اگر میرے بتائے ہوئے قاعدوں ضابطوں کے مطابق کماؤ گے' حاصل کرو گے۔ اور خرچ کرو گے تو یہی دولت تمہارے لئے عبادت بن جائے گی۔ میری رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ اس کے ذریعے تم مجھ تک پہنچ سکو گے۔ اس لئے کہ بہت سی عبادتیں ایسی ہیں جن کا تعلق ہی مال سے ہے۔ اگر دولت نہیں ہو گی

Marfat.com

تو وہ ادا ہی نہ ہو سکیں گی۔ دولت نہیں ہو گی تو آدمی زکوٰۃ کیسے ادا کرے گا بلکہ واجب ہی نہ ہو گی۔ حج کیسے ہو گا' صدقہ و خیرات کیسے کرے گا۔ غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں کیسے پوری کرے گا۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کی مدد کیسے کرے گا۔ اجتماعی اور قومی مفاد کے جو بے شمار کام ہیں' ان میں کیسے حصہ لے گا؟۔ اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے جہاد کی کوئی صورت ممکن نہ ہو گی۔ غرضیکہ نیکی اور بھلائی کے بے شمار کام ہیں جو مال و دولت نہ ہونے کی صورت میں نہ کر سکے گا حالانکہ اسلام ان کا حکم دیتا ہے۔ وہ سارے کام اسلام کے ہیں۔ اسلام کیسے کہے گا کہ دولت کو ضائع کر دو۔ اسے حاصل ہی نہ کرو۔ اور اگر مل گئی ہے تو اسے گنوا دو۔ اسلام کہے گا۔ تم اسی دائرے میں رہو۔ یہیں سے میں تمہارے لئے اللہ تک پہنچنے کا راستہ بتاتا ہوں' اس پر چلو۔ یہی دولت تمہارے لئے عبادت بن جائے گی۔

صحابۂ کرام میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ مال دار بھی تھے اور غریب و نادار بھی۔ ابوذر غفاری جیسے بھی تھے جن کے پاس پہننے کے لئے دوسرا جوڑا' اور کھانے کے لئے دوسرے وقت کی خوراک نہیں ہوتی تھی۔

اور دوسری طرف ابوبکر' عثمان' طلحہ اور عبدالرحمان بن عوف (رضی اللہ عنہم) جیسے مال دار صحابہ تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو کن لوگوں سے زیادہ فائدہ پہنچا۔؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ "جتنا مجھے ابوبکر کے مال و دولت نے فائدہ پہنچایا اتنا کسی نے نہیں پہنچایا' میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ چکا دیا مگر ابوبکر نے اپنے مال و دولت سے میری جو مدد کی اس کا بدلہ انہیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا"۔ (۴)

غزوہ تبوک کے موقع پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کی جو مدد کی' اس پر نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا۔۔۔ "آج کے بعد عثمان کا کوئی گناہ کوئی غلطی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا' اے اللہ۔۔۔ میں عثمان سے راضی ہو گیا' تو بھی عثمان سے راضی رہنا"۔ (۵)

ان دولت مندوں کے حق میں پیغمبر اعظم کی دعائیں صرف اس لئے تھیں کہ

Marfat.com

انہوں نے اس دولت کو ایسے کمایا جیسے کمانے کا طریقہ اسلام نے بتایا' اور پھر خرچ بھی اسی طریقہ سے کیا جو طریقہ اسلام نے تجویز کیا۔ نیت اور طریقہ اگر دونوں اسلام کی ہدایات کے مطابق ہیں تو دولت کمانا بھی عبادت' اور اس کا خرچ کرنا بھی عبادت۔

اسلام نے جس طرح دولت مندوں کو بتایا کہ تم اپنی دولت کو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ۔ اسی طرح غریبوں کو بھی مایوس نہیں کیا' ان سے کہا تم یہ مت سوچو کہ دولت مند نے دنیا بھی خوب کمائی' اور آخرت کا اجر و ثواب بھی لے لیا۔ میں یہاں بھی محروم رہا۔ نہ صدقہ و خیرات کر سکا' نہ اس قابل ہوا کہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کروں' ان سے کہا کہ ـــــ اگر تم دل میں یہ خواہش رکھو کہ اگر میرے پاس بھی روپیہ پیسہ ہوتا تو میں بھی نیک کاموں میں خرچ کرتا' تو تمہیں اسی نیت اور خواہش پر اتنا ہی ثواب مل جائے گا جتنا خرچ کرنے والے کو ملا۔ (٦)

ایک شخص قاضی ہے' منصف ہے' جج ہے۔ اسلام اس سے یہ نہیں کہتا کہ تم اس منصب کو چھوڑ دو۔ کسی خانقاہ میں جا بیٹھو۔ بلکہ یہ کہتا ہے کہ اسی منصب پر فائز رہو۔ مگر اپنے اس اختیار سے لوگوں میں عدل و انصاف کرو' ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دو تاکہ وہ کمزوروں پر ظلم نہ کر سکیں اور کمزور اور بے آسرا لوگوں کو ان کا حق دلاؤ۔ یہی عبادت ہے۔ عزیزوں اور رشتہ داروں سے اچھی طرح ملنا' ہمسایوں کا خیال رکھنا' ضرورت مندوں کی مدد کرنا' اسلام نے اسے بھی عبادت کا درجہ دے دیا۔ کوئی شخص یا طبقہ اسلحہ جمع کرتا ہے' مادی سازوسامان فراہم کرتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ اللہ کی زمین میں اللہ کا نظام نافذ کریں گے' مظلوموں اور بے کسوں کو ظالموں سے نجات دلائیں گے۔ عدل اور انصاف قائم کریں گے۔ اسلام کی نظر میں یہ بہترین عبادت ہے۔ لیکن اگر یہی اسلحہ' یہی سازوسامان ملک گیری کے لئے استعمال ہو' معاشی اور سیاسی فائدے حاصل کرنے کے لئے ہو' دوسری قوموں کو اپنا غلام بنانے کے لئے ہو تو پھر اسلام کہتا ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک قابل نفرت عمل ہے۔

Marfat.com

بہرکیف اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان کی زندگی کا اگر کوئی چیز مقصد ہو سکتی ہے تو وہ اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت ہی انسانی زندگی کا مقصد کیوں ہے؟۔ اس کا جواب بہت سادہ ہے۔ وہ یہ کہ اس کائنات کو دیکھو اور غور کرو تو معلوم ہو گا کہ یہاں کی ہر چیز انسان کے لئے ہے' اسی کے کام میں لگی ہوئی ہے۔ چاند' سورج' ہوا' پانی' مٹی' سردی اور گرمی ہر چیز انسان کی خادم ہے' اور انسان ان سب کا مخدوم۔ اس لئے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار ان چیزوں پر ہے' ان میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ رہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ سورج نہ ہو تو زندگی ختم' پانی نہ ہو تو زندگی باقی نہ رہے' ہوا نہ ہو تو انسان ایک لحظہ میں ختم ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز انسان کی نفع رسانی کے لئے ہے' اسی کے لئے بنائی گئی ہے۔ مگر انسان ان میں سے کسی کے کام کا بھی نہیں۔ اگر ایک بھی انسان باقی نہ رہے تو نہ دریا اور سمندر خشک ہوں گے' نہ ہوا بند ہو گی' چاند سورج' پہاڑ' سب اسی طرح قائم رہیں گے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان ان میں سے کسی کے بھی کام کا نہیں تو پھر آخر کس کے کام کا ہے۔ کیوں کہ کائنات کی ایک ایسی چیز اور ایسی مخلوق بیکار تو ہو نہیں سکتی جسے اللہ نے اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہو' اشرف المخلوقات کہا ہو۔ تو انسان کے خالق و مالک (اللہ) نے کہا کہ انسان میرے کام کا ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ میری فرمان برداری کرے' یہ ہوا انسان کی زندگی کا اصل مقصد کہ وہ اپنے مالک و خالق کی بندگی کرے۔ اللہ کی بندگی' اس کے حکموں کی تعمیل اور دنیا میں ان کا نفاذ اتنا عظیم منصب اور اتنا بڑا کام تھا کہ اس کے لئے ساری کائنات کو انسان کی خدمت کے لئے مامور کر دیا' تاکہ انسان ان مختلف قسم کی اشیاء' اور نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اور انہیں استعمال کر کے اپنے مالک کی بندگی کے لئے تیار ہو جائے۔ غرضیکہ سارے انتظامات انسان کے لئے اور انسان صرف اپنے مالک کے لئے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص گھوڑا پالے' اس کے لئے اصطبل

Marfat.com

بنائے' اس کی دیکھ کے لئے ملازم رکھے۔ اصطبل' ملازم گھاس دانہ۔ یہ سب اہتمام گھوڑے کے لئے ہوا اور گھوڑا مالک کی سواری کے لئے۔ اگر وہ گھوڑا مالک کو اپنے اوپر سوار ہی نہ ہونے دے تو پھر کس کام کا؟۔ وہ تو گولی مار دینے کے قابل ہے۔ مالک کہے گا۔ میں نے سارے انتظامات اس کے لئے کئے' اس کو اپنے لئے رکھا' اگر یہ میرے کام نہیں آتا تو پھر رکھنے کے قابل نہیں۔ جب مالک گھوڑے کو ختم کر دے گا تو پھر نہ ملازم کی ضرورت نہ اصطبل کی۔ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

اسی طرح اللہ نے دنیا کو بنایا' اس میں دریا' سمندر' آگ' پانی' خوبصورت درخت' پھول پھل' طرح طرح کی غذائیں۔ سب کچھ انسان کے لئے۔ اور انسان صرف اللہ کے لئے' اس کی بندگی اور فرماں برداری کے لئے۔ جب انسان اللہ کے لئے بندگی چھوڑ دے گا' سب نافرمانی پر تل جائیں گے تو اللہ اس ساری کائنات کو ختم کر دے گا۔ یہی نبی صادق نے خبر دی ہے کہ جب لوگوں کے دلوں میں اللہ کی عظمت باقی نہ رہے گی۔ لوگ کھلم کھلا نافرمانی کریں گے تو اس کائنات میں موجود ہر چیز ختم کر دی جائے گی' اس لئے کہ جب انسان اس مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دے گا' جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے تو یہ سب چیزیں بے کار ہو جائیں گی۔ کیوں کہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے تھیں' یہ سب کچھ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک انسان اپنے مالک کا رہے گا۔ اور جب مالک سے رشتہ توڑ لے گا تو سب کچھ ختم کر دیا جائے گا۔ اسی حقیقت کو ان تین جملوں میں بیان کیا۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۸) (ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ ہماری بندگی کریں)

وما ارید منہم من رزق وما ارید ان یطعمون (۹) (ہم یہ نہیں کہتے کہ تم ہمیں رزق پہنچاؤ' ہمیں روٹی کھلاؤ۔ ہم تو ان باتوں سے بے نیاز ہیں)

ان اللہ ھوالرزاق ذوالقوۃ المتین (۱۰) (روزی دینے والا تو اللہ ہے یہ اس کی ذمہ داری ہے' اور وہ زبردست قوت والا ہے)

Marfat.com

اور یہی انسان جو اشرف المخلوقات ہے' اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اللہ کے لئے نہ رہے' اس کی اطاعت اور بندگی سے منہ موڑ لے۔ اور اپنے اس مقصد حیات کو کھو بیٹھے جو اسے اس کے مالک اور خالق نے بتایا ہے' تو پھر اسی انسان کے بارے میں جس سے دنیا کے غلبے' اقتدار' اور آخرت کی فوز و فلاح کا وعدہ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ انسان تو جانوروں اور چوپایوں سے بھی زیادہ احمق اور گم کردہ راہ ہے۔ اولئک کا الانعام بل ھم اضل (۱۱) (یہ لوگ تو چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بھٹکے ہوئے)۔

دیکھئے ایک مقصد حیات کو کھو دینے سے انسان کتنی بلندیوں سے کیسی پستیوں میں آن گرا ــــــ! زندگی بامقصد ہے تو پوری کائنات میں معزز و محترم ہے۔ اشرف المخلوقات ہے' بے مقصد زندگی بسر کرتا ہے۔ تو چوپایوں سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔

زیر نظر کتاب کے آئندہ صفحات میں مومن کے اسی مقصد زندگی کو اجاگر کیا ہے' بتایا ہے کہ مومن و مسلم ہے تو دنیا میں کیا عقیدہ رکھے۔ کیا سوچے' کیا کرے اور کیسے زندگی بسر کرے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر ایک اضافی بات یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ مومن و مسلم اگر مجاھد بھی ہے تو پھر اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ کیا فرائض ہیں۔ میدان جہاد میں بھی اگر وہ اللہ کے حکموں سے صرف نظر نہیں کرتا تو پھر اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں وہ کتنی عظمتوں کا مستحق ہے۔ ابتداء عقیدے اور نظریے سے کرتے ہیں کیوں کہ عمل کی بنیاد یہی بنتا ہے سب سے پہلے یہ معلوم ہو کہ مومن بننے کے لیے کن باتوں کو ماننا اور یقین رکھنا ضروری ہے۔ عقیدے اور نظریے کے بعد عمل کی بات ہو گی۔

اس تصور کے ساتھ کتاب کو پڑھئے اور کوشش کیجئے کہ قرآن نے مرد مومن کا جو نقشہ کھینچا ہے' اور جس کی ایک جھلک اس کتاب میں دکھائی گئی ہے' اسی کے مطابق ہم اپنے آپ کو ڈھالیں۔ بہت مشکل بات بھی نہیں ہے۔ خلوص کو اپنا ساتھی بنالیں تو سب کچھ ممکن ہے۔

اللہ ہمارا معین و مددگار ہے۔ نعم المولی ونعم النصیر وما توفیقنا الا باللہ

Marfat.com

باب :۱

حواشی و حوالہ جات

۱: القرآن : ۱۴ (ابراہیم)، ۳۴

۲: محمد بن محمد الغزالی۔ مکاشفتہ القلوب (اردو ترجمہ)۔

۳: القرآن : ۶۷ (الملک)، ۱۴

۴: امام مسلم بن حجاج قیشری۔ الصحیح۔ مناقب ابی بکر۔

البدایتہ والنہایہ (ابن کثیر) ذکر ابی بکر الصدیقؓ

۵: ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ جامع الترمذی۔ مناقب عثمان غنی

۶: یہ مضمون ایک حدیث سے ماخوذ ہے۔ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد متعدد کتب حدیث میں مختلف ابواب کے تحت مذکور ہے۔

۷: ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے طاقت ور مومن زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔

۸: القرآن : ۵۱ (الذاریات)، ۵۶

۹: القرآن : ۵۱ (الذاریات)، ۵۷

۱۰: القرآن : ۵۱ (الذاریات)، ۵۸

۱۱: القرآن : ۷ (الاعراف)، ۱۷۹۔

مزید کتب برائے مطالعہ :

○ مکاشفتہ القلوب ۔	امام محمد بن محمد الغزالی
○ آداب انسانیت ۔	مولانا محمد اشرف علی تھانوی
○ علم و عمل	" " "
○ انسانیت کا امتیاز ۔	قاری محمد طیب
○ خطبات حکیم الاسلام	" " "

Marfat.com

باب : ۲

ایمانیات

(عقائد)

Marfat.com

Marfat.com

باب : ۲

ایمانیات (عقائد)

اسلام جس حقیقت کو عقائد کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے' وہ چند ذہنی اصول و مبادی ہیں جو جماعت کا مسلک' اور تمام انسانی افکار و خیالات کی بنیاد و اساس ہیں۔ انسان کے تمام افعال' اعمال اور حرکات اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے' اور اس کے دائرۂ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہمارے تمام افعال اور حرکات' ہمارے ارادے کے تابع ہیں' ہمارے ارادے کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں' اور ہمارے جذبات و خیالات پر ہمارے اندرونی عقائد کی حکمرانی ہے۔ عمومی زبان میں ہم ان چیزوں کی تعبیر "دل" کے لفظ سے کرتے ہیں۔ اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا مرکز ہے۔ فرمایا :

الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ' الا وہی القلب [1] (آگاہ ہو جاؤ۔ انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے' وہ اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے' اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا۔ جان لو۔ کہ وہ ٹکڑا دل ہے)۔

انسانی جسم میں دل کی حیثیت بھاپ کی سی ہے' اسی بھاپ کی طاقت سے مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انما الاعمال بالنیات [2] (تمام کاموں کا دارومدار نیت پر ہے)۔

عمل کی اصلاح دل کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں :

آج نفسیات کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ انسان کے عمل

Marfat.com

اور کردار کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے دل اور دماغ کی اصلاح نہ ہو' انسان کے دل اور ارادے پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے' صحیح اور صالح عمل کے لئے ضروری ہے کہ چند اصول اور مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین' اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں' اور اسی صحیح عقیدے اور مضبوط یقین کے ساتھ ہم اپنے تمام کام سرانجام دیں۔

بظاہر ہمیں عقل ہر کام کے لئے رہ نما نظر آتی ہے۔ لیکن غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں' وہ ہمارے دلی یقین اور اندرونی جذبات کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ اسی لئے ہم اس پابہ زنجیر عقل کے ذریعے اپنے فکر و ذہن میں ابھرنے والے جذبات اور افکار و خیالات پر قابو نہیں پا سکتے۔ اگر پاسکتے ہیں تو دل کے اذعان و یقین' اور مضبوط ذہنی و دماغی تصورات کے ذریعے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن' ایمان کا ذکر ہمیشہ عمل صالح سے پہلے کرتا ہے۔ ایمان کے بغیر کسی عمل کو قابل قبول نہیں سمجھا۔ کیوں کہ ایمان کی نفی سے دلی کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کی بھی نفی ہو جاتی ہے جس پر حسن عمل کا مدار ہے۔

ایمان تمام اعمال کی بنیاد ہے:

اسلام کے نقطۂ نگاہ سے ایمان ہی ہمارے سارے اعمال کی اساس ہے' اس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے' اس کے نہ ہونے سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی' ایمان کے بغیر کیا ہوا کام روحانی اثر سے یکسر خالی اور بے نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے' اگر یہ نہ ہو تو ہمارے کاموں کی بنیاد ریا' خود غرضی' اور جاہ طلبی کے پست جذبات و محرکات کے سوا کچھ بھی نہ رہے۔

اسلام نے علم اور عمل میں لزوم ثابت کیا ہے' اور عقائد کی راہ سے بھی اصل زور انسان کی عملیت پر صرف کیا ہے۔ اس لئے اس نے عقائد کے اتنے ہی حصے کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا ہے' جو عمل کی بنیاد اور اخلاق و عبادات کی اساس قرار پا

Marfat.com

سکے' اور دل کی اصلاح و تزکیے میں کام آسکے۔ یہی وجہ ہے کہ عقائد کی فلسفیانہ تشریح و تفصیل کر کے عملی استعداد اور صلاحیت کو برباد نہیں کیا۔ چند سیدھے سادے اصول ہیں' جو تمام ذہنی سچائیوں اور عملی تقاضوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں' اور انہی پر یقین کرنے کا نام "ایمان" ہے۔ بہت صاف اور سیدھے طریقے سے اس کے تین بنیادی اصول بتا دیئے۔ اللہ پر ایمان' اللہ کے رسولوں پر ایمان' اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان' یعنی توحید۔ نبوت و رسالت۔ یوم آخرت۔

انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے بنیادی طور پر دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک نظریہ اور دوسرا نظام' نظریے سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کو انسان صحیح اور حق سمجھ کر اپنی زندگی اس کے مطابق گزارتا ہے۔ اور نظام سے مراد وہ طریق کار ہے جس کے ذریعے کسی مقصد کو حاصل کیا جا سکے۔

انہی دو چیزوں کے بگاڑ اور سنوار پر قوموں کا بگاڑ اور سنوار موقوف ہے۔ جس کا عقیدہ اور نظریہ ہی غلط ہو گیا' اور جس نے اپنا مقصد زندگی ہی کسی غلط چیز کو بنا لیا' اس کا نظام کار کتنا ہی مربوط اور مستحکم کیوں نہ ہو' وہ کبھی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور جس کا نظریہ اور عقیدہ تو درست ہے مگر نظام کار غلط ہے وہ بھی اپنی بد عملی اور غلط روی کے سبب اس نتیجے کو حاصل نہیں کر سکتا جو صحیح عقیدے اور نظریے پر مرتب ہوتا۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نسل انسانی کی دنیوی اور اخروی فلاح و کامیابی کی ضمانت لے کر آئے ہیں' انہوں نے اس دنیا کو عقیدہ اور نظریہ بھی دیا' اور ایسا عقیدہ اور نظریہ جو نہ صرف عقل اور حکمت و دانائی کی میزان میں پورا اترتا ہے بلکہ انسانی فطرت کے بھی عین مطابق ہے۔ اور نظام بھی ایسا عطا کیا جو زندگی کے ہر شعبے میں بھرپور راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ فرد اور جماعت کی کارگہِ حیات میں کہیں دشواری کا احساس نہیں ہوتا۔ سیدھا سادا' معتدل' اور آسان ہے۔

وہ اسلامی نظریہ جس کو لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تین

Marfat.com

اصول پر مبنی ہے۔ توحید۔ نبوت و رسالت۔ آخرت۔

توحید کے معنی یہ ہیں کہ ساری کائنات کا خالق و مالک' اور حاجت روا صرف اللہ کی ذات کو مانا جائے۔ اس کی مخصوص صفات' علم' قدرت' خلق' تقدیر وغیرہ میں اس کے سوا کسی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک اور برابر نہ ٹھہرائیں' اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اس جہاں میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اسی کے حکم' اجازت' اور مشیت سے ہوتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر ایک ذرہ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ سارا جہاں اس کی ملک اور مملکت ہے' اس میں صرف اسی کا حکم اور قانون چلنا چاہئے۔ اس کے مخالف کوئی حکم اور قانون قابل عمل نہیں۔ بلکہ قابل رد ہے۔ ہاں' اس نے اپنے کرم سے جائز اور مباح چیزوں کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے' اور اپنے بندوں کو یہ حق دے دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے' مقام' اور حالات کے مطابق قانون بنائیں' طرز عمل کا تعین کریں' اور اس کے مطابق زندگی کی گتھیاں سلجھاتے رہیں۔ ان کی زندگی میں کوئی مرحلہ ایسا نہ آئے کہ ان کے فکر و ذہن کے دریچے بند ہو جائیں' اور وہ اس سوچ میں گم ہو جائیں کہ اب ہم کیا کریں۔ اور عمل کی شاہ راہوں پر قدم کس طرح آگے بڑھائیں۔؟

جب عقیدۂ توحید نے انسان کو یہ بتا دیا کہ سارے جہاں کا مالک و خالق ایک ہے' اسی کا حکم ماننا ہے' اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنا عقل کے خلاف ہے' تو یہیں سے عقیدہ رسالت خود بخود پیدا ہوا۔ کیوں کہ اللہ جل شانہ کی بلکہ دنیا میں کسی انسان کی پسند و ناپسند کو کوئی انسان محض اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ جب تک اسی کی طرف سے اس کو ظاہر کرنے کے ذرائع مہیا نہ کئے جائیں' اور اللہ کے احکام' اس کی منشاء' رضا اور ناراضگی ان سب کا علم اللہ ہی کے بتانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ہر انسان اس کا اہل نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس سے مخاطب ہوں۔ اس لئے رسول کا واسطہ ضروری ہوا جو لوگوں کو اللہ کے احکام بتائے' اور اس کے ساتھ ان احکام پر عمل کے ایسے طریقے بھی سکھائے جو اللہ کی پسند کے مطابق ہوں۔

Marfat.com

جب پہلے دو عقیدوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کے احکام کی پیروی رسول کے بنائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرنا فرض ہے' اور اس کی خلاف ورزی جرم ہے' تو یہیں سے تیسرا عقیدہ یعنی عقیدہ آخرت پیدا ہو گیا' جس میں انسان کے اچھے اور برے اعمال کا حساب' اور ان پر جزا اور سزا کا مرتب ہونا عقلاً" ضروری قرار پایا۔ اگر ایسا نہ ہو تو احکام کا پابند بنانا' اور رسول کو بھیجنا بے مقصد اور بے معنی ٹھہرتا ہے۔

یہ تین اصولی عقیدے ایک دوسرے پر مرتب ہیں۔ اور ان سب کی اصل بنیاد توحید ہے۔ اور وہی حقیقت میں انسان کی ہر صلاح و فلاح کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی تشریح آنے والی سطور میں پیش کی جا رہی ہے۔

توحید:

اسلام کی پہلی اصل' بلکہ تمام اصول کی روح اور بنیاد توحید ہے۔ توحید لغت میں کسی چیز کو ایک جاننے اور ایک ماننے کا نام ہے' اور اسلام کی زبان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پورے اذعان و یقین کے ساتھ ماننے کا نام توحید ہے۔ یعنی دل کی گہرائی سے اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں۔ اسی کا نام توحید ہے' توحید کے دو مرتبے ہیں۔ اول مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کو ذات و صفات میں یکتا سمجھتے اور اس کے سوا مخلوق میں سے کسی کی بندگی نہ کرے' اور نہ اس کو مستقل نفع و نقصان کا مالک سمجھے۔ توحید کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے پر نظر تک نہ رکھے' اسباب پر نظر رکھنے کو بھی شرک کے برابر جانے' صرف مسبب الاسباب پر نظر رکھے۔ توحید کا یہ درجہ پہلے درجے سے اعلیٰ اور کامل تر ہے۔

توحید' ایمان' ارکان اسلام' اور عقیدۂ آخرت کے بارے میں جامع اور مفصل حدیث وہ ہے جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' اور جو حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے۔ حدیث اس طرح ہے:

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ہم میں ایک شخص نمودار ہوا' اس کے کپڑے بے حد سفید' اور بال انتہائی سیاہ تھے' اس پر سفر کے کوئی آثار نہ تھے' ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا نہ تھا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے۔ اور کہنے لگا۔ اے محمد! اسلام کے بارے میں کچھ بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور محمد اللہ کے رسول ہیں' تو نماز ادا کرے اور زکوٰۃ دے' رمضان کے روزے رکھے' اور اللہ کے گھر کا حج کرے اگر تجھ میں وہاں تک پہنچنے کی قدرت ہو' بولا: آپؐ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اس بات پر تعجب ہوا کہ یہ شخص نبی علیہ السلام سے ایک بات پوچھتا بھی ہے اور پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر اس نے پوچھا۔ اے محمدؐ! ایمان کے بارے میں کچھ بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' یوم آخرت پر' اور تقدیر کی بھلائی اور برائی پر یقین رکھے'۔ یہ سن کر کہنے لگا: "آپؐ نے سچ فرمایا"۔

پھر بولا: احسان کے بارے میں بتائیے۔! آپؐ نے فرمایا: "تو اللہ کی عبادت یہ سوچ کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے' اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ سوچ کہ گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے"۔

اس شخص نے پھر پوچھا: قیامت کے بارے میں بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔' کہنے لگا: کچھ نشانیاں ہی بتلا دیجئے آپؐ نے فرمایا: کنیزیں اپنے آقا جننے لگیں' اور تو دیکھے کہ برہنہ پا' برہنہ جسم' مفلس' اور بکریاں چرانے والے عالی شان محلوں میں رہنے لگیں"۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان سوالات کے بعد وہ شخص چلا گیا' میں کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا' اس کے بعد حضورؐ نے مجھ سے فرمایا: عمر! تم جانتے ہو' سوال کرنے والا کون تھا۔؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر

Marfat.com

انتے ہیں' آپؐ نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے۔ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے" ؎

توحید کا اجمالی اعتراف تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جن قوموں میں کھلم کھلا شرک اور بت پرستی ہے' وہ بھی قادر مطلق ایک ہی ذات کو مانتی ہیں۔ البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد مانتی ہیں۔ عیسائی تین خداؤں کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں۔ گو یہ تعبیر کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو لیکن اس سے اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ توحید کو کلی طور پر ترک کر دینے کے لئے وہ بھی تیار نہیں۔ بلکہ توحید کے ترک سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو اس کے ساتھ جمع کر لیا جائے۔ اگرچہ یہ اجتماع دو ضدوں اور نقیضوں کا اجتماع ہے۔

کامل اور خالص توحید:

اسلام کو یہ خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے کہ اس نے ایسی کامل اور خالص توحید کی دعوت دی جو ہر طرح کے شرک حتیٰ کہ اس کے شک و شبہ سے بھی بالا ہے۔

اسلام کی توحید یہ ہے کہ تمام کائنات کا الٰہ ایک ہے' اسی ایک الٰہ نے سب کو وجود عطا کیا' اور وہی سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ایک ہی الٰہ کسی کی شرکت' مدد اور تعاون کے بغیر ساری دنیا کا انتظام کرتا ہے۔ نہ ذات میں اس کا کوئی شریک ہے' اور نہ صفات میں' پیدا کرنا' مارنا' رزق دینا' عالم الغیب ہونا' بندگی کا مستحق ہونا۔ یہ سب صفتیں اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنے اوتاروں اور پیغمبروں میں بھی ان صفات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہی توحید کا نقص ہے۔

توحید کے مسئلے میں دوسری بہت سی قوموں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اسی لئے تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور تعلیم کا یہ سب سے اہم اور بنیادی موضوع رہا ہے' انہوں نے سب سے پہلے اسی کی دعوت دی' اسی کو سمجھایا' اور اسی کا قائل کرنے کی کوشش کی۔ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی اتنی تشریح و تفصیل کی کہ کوئی گوشہ اور کوئی پہلو تشنہ اور قابل وضاحت نہیں چھوڑا۔

Marfat.com

قرآن حکیم اور تعلیمات رسول میں توحید کو سمجھانے کا ایک تو یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اللہ کی صفات کو تفصیل سے بیان کیا تاکہ بندے یہ جان لیں کہ جب اللہ کی یہ شان ہے اور اس میں یہ سب صفتیں موجود ہیں تو پھر وہی بندگی کے لائق ہے۔ اس طریقۂ تعلیم' اور طریقۂ بیان کو سب سے پہلے قرآن کی پہلی سورت۔ الفاتحہ میں دیکھئے۔ پہلے بندوں سے کہلوایا گیا:

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین

(ہر قسم کی حمد و ثنا اسی اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے' انصاف کے دن کا مالک ہے) یعنی ایک آنے والے دن میں انسانوں کے اعمال و افعال کی جزا اور سزا وہی دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفات بیان کرانے کے بعد کہلوایا گیا:

ایاک نعبد وایاک نستعین (ہم اسی کی بندگی کریں گے' اور اپنی ضرورتوں میں اسی سے مدد مانگیں گے)

یعنی جب اللہ ہی پالنے والا ہے' ہماری زندگی کی ساری سہولتیں وہی مہیا کرتا ہے بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان بھی ہے۔ اور ان صفات جمال کے ساتھ اتنا بااختیار بھی ہے کہ آخرت والی زندگی میں ہمارے اعمال کی جزا اور سزا بھی وہی دے گا' تو پھر عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اسی کی بندگی کی جائے' اور اپنی ضرورتوں میں اسی سے مدد مانگی جائے۔

بیان توحید کا ایک طریقہ وہ ہے جو آیتہ الکرسی میں اختیار کیا گیا۔ پہلے دعویٰ کیا: اللہ لا الہ الا ھو (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) آگے اس کے دلیلیں بیان کی گئیں۔ کہا گیا: الحی القیوم وہی زندۂ جاوید ہے' اسی کی زندگی اپنی ذاتی زندگی ہے' اس کے سوا جن کو زندگی ملی ہے وہ اسی کی دی ہوئی ہے' اور عارضی ہے۔ اس کے بعد کہا: لاتاخذہ سنتہ ولانوم نہ اسے اونگھ لگتی ہے' اور نہ نیند آتی ہے۔ یعنی وہ ہمہ وقت بیدار اور چوکنا رہتا ہے۔ اس پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ کوئی بندہ اپنی

Marfat.com

کسی ضرورت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو' اور وہ اس وقت آرام کی حالت میں ہو۔ لہٗ ما فی السماوات وما فی الارض ۲ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اسی کا ہے۔ وہی سب کا مالک و مختار ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ ۳ کون ہے جو اس کے دربار میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے۔ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیئ من علمہ الا بما شاء جو کچھ بندوں کے سامنے اور حاضر ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے' اور جو ان کے پیچھے اور ان کی نظروں سے اوجھل ہے وہ اس سے بھی واقف ہے۔ آخر میں کہا: وسع کرسیہ السماوات والارض' ولا یؤدہ حفظھما وھوالعلی العظیم۔ ۵ اس کا تختِ حکومت آسمان و زمین کی وسعتوں پر چھایا ہوا ہے اور ان کے تھامنے سے وہ تھکتا نہیں' وہ اونچی شان' اور بڑی عظمت والا ہے۔

انسان جب اللہ کی وہ تمام صفتیں اور شانیں جان لیتا ہے جو آیتہ الکرسی میں بیان کی گئیں تو وہ پھر خود بخود اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ صرف یہی ہستی اللہ اور معبود ہے' اور یہی اس لائق ہے کہ اس کی بندگی کی جائے' اور اسی کو اپنا معبود حقیقی مانا جائے۔

عام طور پر شرک میں وہ شخص گرفتار ہوتا ہے جس کو اللہ کی صفات کا صحیح طور پر علم نہیں ہوتا۔ اور جس کو اللہ کی صفات کا صحیح علم ہو جائے وہ شرک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ وہ اللہ کی صفات کا بیان ہے' قرآن مختلف انداز اور مختلف پیرایوں سے اپنے مخاطبین کو توحید کے دلائل سے آگاہ کرتا' اور مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیوں کہ جس شخص کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے گی کہ اللہ ہی پیدا کرنے وللا ہے' اللہ ہی پالنے والا ہے' اللہ ہی رزق دیتا ہے' اولاد دیتا ہے' مارتا اور جلاتا ہے' سب اس کے محتاج ہیں' وہ کسی کا محتاج نہیں' تو جو شخص اللہ کی ان صفات پر یقین رکھتا ہو گا وہ نہ اللہ کے سوا کسی سے اپنی حاجتیں مانگے گا' نہ کسی کو خوش کرنے کے لئے نذریں اور منتیں مانے گا۔

Marfat.com

توحید کے بارے میں ایک اصولی بات یہ بھی سمجھنی ضروری ہے کہ توحید کا وہ کون سا درجہ ہے جس کو مشرکین بھی مانتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ وہ کافی نہیں ہے۔ مثلاً اتنی بات کہ زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا پیدا کرنے والا' اور بنانے والا ایک ہی ہے ایسا نہیں ہے کہ کچھ چیزیں کسی نے پیدا کی ہیں' اور کچھ کسی نے۔ خود قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس کی شہادت موجود ہے کہ اتنی بات عرب کے مشرک بھی مانتے تھے۔ اگر ان مشرکوں سے پوچھا جائے کہ بتاؤ۔ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا۔؟ تو وہ جواب میں کہیں گے اللہ نے' ولئن سالتہم من خلق السماوات والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ۔ ؕ

اس سے بڑھ کر یہ بھی مانتے تھے کہ اس کائنات کو چلانے والا اللہ ہی ہے' وہی روزی دیتا ہے' اور وہی مارتا اور جلاتا ہے' سورہ یونس میں ہے:

"اے پیغمبر۔! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ بتاؤ کون تمہیں زمین و آسمان سے روزی دیتا ہے۔ اور کون کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے۔ اور کس کا ان چیزوں پر اختیار ہے۔ اور کون زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔ اور کون ہے جو اس پورے کارخانۂ عالم کو چلا رہا ہے۔؟ تو یہ سب جواب میں کہیں گے۔ اور اقرار کریں گے۔ صرف ایک اللہ ہے"۔!

تو اب سوچنے کی بات ہے کہ پھر ان کا شرک کیا تھا۔؟

اس کی وضاحت قرآن حکیم کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ کو ساری کائنات کا خالق و مالک' اور مدبر و منتظم ماننے کے باوجود یہ سمجھتے تھے کہ جن ہستیوں کو ہم دیوی اور دیوتا مانتے ہیں وہ اگرچہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا اللہ سے ایسا خاص تعلق ہے کہ اگر وہ کسی کو کچھ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں' اور کسی سے کچھ چھیننا چاہیں تو چھین سکتے ہیں۔ کسی کو دولت دے کر امیر بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں اور کسی سے دولت لے کر غریب و نادار کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

مشرکین کا عقیدہ:

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص تعلق کی وجہ سے ہمارے ان دیوتاؤں کو جزوی کاموں کے اختیارات دے دیئے ہیں۔ اور اس بناء پر یہ انہیں راضی رکھنے کے لئے ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں' اور ان کے بتوں کے گرد طواف کرتے ہیں۔

مشرکوں کا یہ مشرکانہ عقیدہ اور عمل ان بزرگ روحوں' اور ان روحانی ہستیوں کے ساتھ تھا جن سے یہ پتھر کے بت منسوب تھے۔ قرآن حکیم نے سورہ نوح میں قوم نوح کے چند بتوں کے نام ذکر کئے ہیں۔ ود' سواع' یغوث' یعوق' نسر۔ اور ان کے متعلق احادیث میں ہے کہ یہ چند بزرگوں کے نام ہیں جو حقیقت میں نیک تھے ان کے مرنے کے کچھ عرصے بعد ان کے عقیدت مندوں نے ان کی یاد کے لئے نشانی کے طور پر ان کے مجسمے بنا لئے اور ان کی تعظیم کرنے لگے۔ اسی طرح مشرکین عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے' وہ بت بھی کچھ روحانی ہستیوں کی یادگار سمجھے جاتے تھے۔ اور اصل میں پرستش ان روحانی ہستیوں کی کی جاتی تھی' انہی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا تھا۔

مختلف آیتوں میں اس قسم کے شرک کا رد کیا گیا ہے۔ مثلاً کہا گیا:

اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربہم الوسیلۃ ایہم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ۱۲ (یہ لوگ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے' اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں' اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں)۔

اس آیت میں' اور اسی جیسی بعض دوسری آیتوں میں ان مشرکوں کا رد کیا گیا ہے جو بتوں کو اصلی معبود اور حاجت روا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کچھ مقرب روحانی' ہستیوں کو ایسا سمجھتے تھے۔ اور بتوں کو ان کا نمائندہ یا جلوہ گاہ سمجھتے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ایک سے زائد مقام پر یہ بات کہتے ہیں کہ: وہ تو خود ہمارے محتاج ہیں' ہمارے در کے بھکاری ہیں' اپنی ضرورتیں ہم سے مانگتے ہیں' ہمارے قرب

Marfat.com

کے طلبگار رہتے ہیں' ہمارے رحم و کرم کی آس لگائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کس لئے ان کے آستانوں پر جبینیں جھکاتے ہو' اور ان کے آگے دست سوال پھیلاتے ہو۔!

سورۂ فاطر میں کہا گیا:

"اللہ لوگوں کے لئے جس رحمت کا دروازہ کھولے' اور جو نعمت کسی کو دینا چاہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو وہ نہ دینا چاہے اور روک لے کوئی اس کو دینے اور جاری کرنے والا نہیں ہے" [۱۲]

قرآن نے لوگوں کو شرک سے بچانے کے لئے زیادہ تر یہی طریقہ اختیار کیا ہے' انہیں بتایا کہ شیطان نے تمہیں غلط باور کرایا کہ کسی اور کے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے جس کے قبضے میں تمہارا بناؤ بگاڑ اور نفع نقصان ہے' اور اللہ کے سوا بھی کوئی تمہاری حاجتیں پوری کر سکتا ہے۔ یہ کھلا دھوکا ہے۔ انسان کا تمام تر نفع نقصان اللہ ہی کے قبضے میں ہے' وہی سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے' وہی بندگی کے لائق ہے۔

اس موقعہ پر ایک بات اور ذہن میں رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ اس عالم اسباب میں ہم بہت سی چیزوں سے نفع اٹھاتے ہیں۔ مثلاً پانی سے پیاس بجھاتے ہیں' غذاؤں سے بھوک کا علاج کرتے ہیں' آگ اور سورج سے روشنی اور گرمی حاصل کرتے ہیں' دوا کے ذریعے مرض سے شفا یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنے جیسے بہت سے لوگوں سے مختلف کاموں میں مدد لیتے ہیں۔ جیسے حکیموں اور ڈاکٹروں سے بیماری میں' اور وکیلوں سے مقدمات میں مدد لیتے ہیں' بہت سے غریب اور ضرورت مند' امیروں اور با اختیار لوگوں سے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں تو اس مدد کی کیا حیثیت ہے۔ اور کیا یہ بھی شرک ہے؟۔

اس کو یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں جن چیزوں میں جو تاثیریں رکھی ہیں جیسے پانی میں ٹھنڈا کرنے اور پیاس بجھانے کی تاثیر' آگ میں جلانے کی تاثیر' سورج میں روشنی پہنچانے کی تاثیر' دوا میں مرض کو دور کرنے کی تاثیر۔ تو سب جانتے

Marfat.com

ہیں کہ ان تاثیروں میں خود ان چیزوں کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام تاثیریں ان میں اللہ نے پیدا کی ہیں' اور اسی نے ان اشیاء کو انسانوں کے تابع فرمان کر دیا ہے۔ ان چیزوں کی حیثیت ہمارے خادموں کی سی ہے جس طرح ہم اپنے ملازموں' جانوروں' اور سواریوں سے کام لیتے ہیں اسی طرح اپنی نفع رسانی اپنے فائدے کے لئے ان سے بھی کام لیتے ہیں۔

اسی طرح جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ اہلیت اور صلاحیت عطا کر دی ہے کہ وہ دوسروں کو اس کے ذریعے فائدہ پہنچا سکیں۔ جیسے حکیم' ڈاکٹر' وکیل وغیرہ۔ تو ان کے متعلق بھی ہر شخص سمجھتا ہے کہ ان میں کوئی غیبی طاقت نہیں جس سے یہ دوسروں کو نفع پہنچائیں۔ ان کے اپنے قبضے میں کچھ بھی نہیں ہے' یہ بھی ہماری طرح اللہ کے محتاج بندے ہیں' بات صرف اتنی ہے کہ اللہ نے انہیں کسی ایسے علم یا صفت سے نواز دیا ہے جس کے ذریعے یہ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس بنا پر ان سے کام لینے یا مدد حاصل کرنے کو شرک سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ شرک جب ہوتا ہے کہ کسی ہستی کو اللہ کے قائم کئے ہوئے اس ظاہری سلسلۂ اسباب سے الگ کر کے غیبی طور پر اپنے ارادے اور اختیار سے کار فرما' موثر' تصرف کرنے والا مانا جائے' اور اسی اعتقاد کی بناء پر اس سے اپنے معاملات میں مدد مانگی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا' اور اب قیامت تک کوئی پیغمبر نہیں آئے گا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے توحید کی تعلیم کو اس حد تک مکمل اور محکم کر دیا کہ اس کے بعد شرک تو کیا' شرک کے شائبے تک کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ان سب راستوں کو بند کر دیا جن کے ذریعے مومن کے دل میں شرک داخل ہو سکتا تھا۔

سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو شیطان نے ان کے بارے میں گمراہ کیا کہ وہ ان کو خدا' اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اسی طرح یہ امت شیطان کے فریب میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی

Marfat.com

مشرکانہ عقیدہ نہ قائم کر بیٹھے۔ اس کا دروازہ بند کرنے کے لئے نبی علیہ السلام نے صاف صاف لفظوں میں فرمایا:

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبد اللہ ورسولہ [۳]

(جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مبالغہ کیا' انہیں حد سے بڑھایا' تم میرے بارے میں مبالغہ نہ کرنا' میں اللہ کا بندہ ہوں' مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو)۔

بعض پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا' آپ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

"تم سے پہلے بعض امتوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا' تم ایسا نہ کرنا' دیکھو خبردار۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"۔[۴]

آپ نے اپنے مرض الوفات میں یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کرنے لگیں"[۵]

نبوت و رسالت:

اسلام کی دوسری اصل و بنیاد نبوت و رسالت ہے' توحید کی طرح نبوت و رسالت کو حق سمجھنا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسمانی امراض کے علاج کے لئے اطباء کو پیدا کیا' اسی طرح روحانی امراض' اور قلبی بیماریوں کے علاج کے لئے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا۔ تاکہ لوگوں کی روحانی بیماریوں کا علاج کر سکیں۔

جب اللہ کو مالک و خالق اور معبود مان لیا' اور یہ تسلیم کر لیا کہ اس دنیا میں اس کے حکموں کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے۔ تو پھر یہ جاننا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ کے احکام کیا ہیں۔ ہمیں کس ذریعے سے ملیں گے۔ ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ کن کاموں کی اجازت ہے اور کن کاموں سے منع کیا گیا ہے۔؟ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہر انسان کو یہ باتیں نہیں بتلاتا۔ انسان کو جو تھوڑی سی عقل ملی

Marfat.com

ہے۔ وہ دنیا کی روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے تو کافی ہے۔ مگر اس کے ذریعے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ کن کاموں سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ اور کن سے ناراض۔ اس انسانی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسالت کا سلسلہ قائم کیا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری مادی ضروریات پوری کرنے کے لئے آگ' پانی' ہوا' اور روشنی کو پیدا کیا' اسی طرح روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ قائم کیا۔ اور یہ طے کیا کہ وہ اپنے منتخب اور پسندیدہ نمائندوں کے ذریعے اپنے بندوں تک اپنی ہدایت اور قانون بھیجے گا۔

رسول کون ہوتا ہے؟

اس مرحلے پر ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ نبی اور رسول کون ہونا چاہیے؟۔ اس بارے میں بعض قوموں کو بہت مغالطے لگے۔ کسی نے کہا: خدا خود کسی روپ میں آکر انسانوں کو اپنا قانون بتاتا ہے۔ اور بعضوں نے یہ خیال کیا کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے کیوں کہ فرشتہ اللہ کی مقدس اور نورانی مخلوق ہے۔ ان لوگوں کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی کہ نبیوں اور رسولوں کو جس طبقے (انسانوں) کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے بھیجا جاتا ہے' اس کے لئے ان کے جذبات و احساسات' اور طبعی رجحانات سے واقف ہونا زیادہ ضروری ہے' بہ نسبت اس بات کے کہ وہ مقدس اور پاکیزہ ہوں۔ فرشتے بے شک مقدس اور نورانی ہیں لیکن انسانی مزاج اور اس کی ضرورتوں سے نا آشنا ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ غصہ' حسد' بھوک اور پیاس کیا ہوتے ہیں۔ خود انسان کو اپنی کیفیتوں کا اس وقت تک احساس نہیں ہوتا جب تک وہ ان سے دوچار نہ ہو۔ بھوک اور پیاس سے انسان پر جو کیفیت گزرتی ہے' اسے اگر کوئی کئی گھنٹے کی تقریر سے بھی سمجھانا چاہے تو نہیں سمجھا سکتا۔ کسی پر مغز اور مدلل لکچر کے ذریعے مادر زاد اندھے کو گلاب کے پھولوں کی حسین رنگت اور بھینی بھینی خوشبو کا سمجھا دینا ممکن نہیں۔ انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا ہادی' مرشد اور تعلیم و تربیت دینے والا اس کے طبعی اور مزاجی رجحانات' اور کیفیات سے پوری

Marfat.com

طرح باخبر ہو۔ اور یہ بات صرف انسان ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام نبی اور رسول انسانوں ہی میں سے بھیجے۔ جن لوگوں کا خیال تھا کہ نبی فرشتہ ہونا چاہیے' قرآن نے انہیں مخاطب کر کے کہا:

قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا [۱۶]

(اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے)۔

اگر نبی کو انسان نہ مانا جائے' خدا' خدا کا بیٹا' خدا کا اوتار یا فرشتہ مانا جائے تو ان کی زندگی میں کوئی خاص کمال باقی نہیں رہتا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اگر انسان مانا جائے تو ان کی زندگی ایک مثالی اور بلند ترین انسان کی زندگی نظر آئے گی۔ جس میں ظلم کے مقابلے میں صبر ہے' حلم ہے' علم و حکمت ہے' محبت و ہمدردی ہے' دل سوزی و غم خواری ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے معجزات ہیں' جو ان کی سچائی کی سند ہیں۔ لیکن اگر ان کو خدا' خدا کا بیٹا' اوتار یا فرشتہ مانا جائے تو اس معیار سے عقل ان کی زندگی میں حسرت ناک نقائص اور کمزوریاں محسوس کرے گی۔ ان کا کھانا پینا' مریم کے پیٹ سے ان کا پیدا ہونا' یہودیوں کا ان کو ستانا' ان کی توہین کرنا' اور انجیل کے بیانؑ کے مطابق ان کو سولی پر چڑھانا۔ یہ سب باتیں کمال کے بجائے نقص نظر آئیں گی۔ ایسے نبی اور رسول کی زندگی ان انسانوں کے لئے مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی جن کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے اسے بھیجا گیا تھا۔ انسان' کسی انسان کے کردار و عمل کی نقل تو کر سکتا ہے مگر خدا کی' یا فرشتے کی نقل کیسے کر سکتا ہے۔!

قرآن نے اس حقیقت کو الفاظ کے تھوڑے سے فرق اور تبدیلی کے ساتھ بار بار واضح کیا ایک جگہ کہا: ما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم [۱۷] (اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے وہ سب انسان (مرد) ہی تھے۔ جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے)۔

Marfat.com

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا : ھل کنت الا بشرا رسولا[18] (میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ہوں' اور اللہ کا رسول ہوں)۔

اللہ نے بنی آدم کو جب زمین پر اتارا تھا' اسی وقت یہ بتا دیا تھا کہ میری طرف سے بھیجی جانے والی ہدایت ہر شخص کے پاس فرداً فرداً نہیں بھیجی جائے گی۔ بلکہ میں تمہی لوگوں میں سے چند افراد کا انتخاب کروں گا ان پر اپنی ہدایت نازل کروں گا' وہ تمہارے پاس میرے رسول بن کر آئیں گے۔ جو شخص میرے بھیجے ہوئے رسول کو' اور اس کے لائے ہوئے پیغام کو سچا مانے گا' وہی ہدایت پائے گا[19]

اللہ نے نبی اور رسول کن افراد کو منتخب کیا۔ اور کن برگزیدہ ہستیوں کو اس منصب عظیم پر فائز کیا گیا۔؟ اسے کچھ اس طرح سمجھئے :

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو مختلف انواع' اور مختلف اقسام میں پیدا فرمایا کائنات کی کوئی نوع ایسی نہیں جس کے افراد میں فرق اور اختلاف نہ ہو۔ جمادات میں کوئی سنگریزہ ہے اور کوئی ہیرہ اور زمرد' نباتات میں ساگ اور پالک بھی ہے اور گل بنفشہ اور زعفران بھی' حیوانات میں گدھا اور کتا بھی ہے اور بکری اور ہرن بھی اسی طرح انسانوں کو لیجئے۔ کسی کا دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے' کسی کا دل لوہے کی طرح سیاہ' سورج کی شعاعیں پتھر لوہے اور آئینے پر یکساں پڑتی ہیں' آئینہ ان شعاعوں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے' سورج کی روشنی سے اس میں اور زیادہ چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر لوہا اور پتھر ان شعاعوں کو جذب نہیں کرتے' ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ یہی کیفیت دل کی ہے' جو آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے وہ سورج کی روشنی کی طرح اللہ کے انوار و تجلیات کو قبول کر لیتا ہے' مگر جو دل سیاہ اور زنگ آلود ہے وہ نور حق کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔

بنی آدم میں جو نفوس آئینے کی طرح صاف و شفاف' اور حیوانی مادہ سے پاک ہیں ان میں سے کسی کو اپنی سفارت کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں' انہیں اپنے کلام اور خطاب خاص سے نوازتے ہیں تاکہ وہ اللہ کے اور بندوں کے درمیان اللہ کے احکام

Marfat.com

پہنچانے کا ذریعہ بنیں' لوگوں کو ہدایت کا راستہ بتائیں' اور اس راستے سے ڈرائیں جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام کی زبان میں اللہ کے ایسے منتخب اور برگزیدہ بندوں کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔

یہ بتانا ممکن نہیں ہے کہ کل کتنے پیغمبر آئے۔ قرآن حکیم نے ان کی تعداد نہیں بتائی۔ اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی۔ لیکن یہ ضرور بتایا کہ کوئی ملک' اور کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں ہم نے رسول نہ بھیجا ہو۔ ایک جگہ فرمایا: ولکل امۃ رسول [1] (ہر قوم کے لئے پیغمبر آئے ہیں)۔ دوسری جگہ فرمایا وان من امۃ الاخلا فیہا نذیر [2] (کوئی قوم ایسی نہیں جس کے پاس ہمارا رسول نہ پہنچا ہو)۔ ان پیغمبروں میں سے چند خاص پیغمبروں کے نام' اور ان کے حالات قرآن نے ذکر کئے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب پر ایمان لائیں' سب کا ادب کریں۔ اس کے بغیر مومن نہیں ہو سکتے۔ لیکن پیروی انہی احکام کی کی جائے گی جو اس وقت کے نبی کے ذریعے اللہ نے بندوں کو پہنچائے ہوں گے۔

اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا' اب ان کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا' نہ نیا قانون شریعت۔ جو کچھ آپؐ نے لوگوں تک پہنچا دیا قیامت تک اسی پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان سے پہلے کے تمام احکام الٰہی منسوخ ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (صحیح حدیثوں کے مطابق) اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو وہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کریں گے۔

رسولوں پر ایمان۔ ایک عقیدے پر جمع ہونے کا ذریعہ:

رسولوں پر ایمان لانا ہی وہ چیز ہے جو بنی نوع انسان کو ایک عقیدے پر جمع کر سکتی ہے۔ اختلاف کی بناء جہل ہوتا ہے' لوگ جس چیز کی حقیقت سے واقف نہیں ہوں گے اس کے متعلق وہم و گمان سے کام لیں گے' قیاس آرائیاں کریں گے' اور نتیجتاً" ان کے درمیان اختلاف رائے ہو گا۔ کیوں کہ گمان اور قیاس کی مدد سے

Marfat.com

رائے قائم کرنا ایسا ہی ہے جیسے اندھیرے میں کسی چیز کو ٹٹولنا۔ جہاں روشنی نہ ہو گی وہاں دس آدمی ایک چیز کو ٹٹول کر دس مختلف رائیں قائم کریں گے۔ مگر جب روشنی آجائے گی تو کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا' اور سب آنکھوں والے ایک ہی رائے قائم کریں گے' اور ایک ہی نتیجے پر پہنچیں گے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ رسول کے پاس علم کا ایسا ذریعہ ہے جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں۔ اللہ کی طرف سے رسول کو بصیرت کا وہ نور عطا کیا گیا ہے جس سے دوسرے تمام لوگ محروم ہیں۔ تو اس بات کا عقلی اور منطقی تقاضا یہ ہوا کہ اللہ کے اور اس کے احکام کے بارے میں صرف وہی اعتقاد صحیح ہو سکتا ہے۔ جو رسول نے پیش کیا ہے لہٰذا تمام ایمانیات اور اعتقادات کا دارومدار' رسولوں پر ایمان لانے پر ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ہم رسول کے واسطے اور تعلق کو توڑ کر علم صحیح سے اپنا دامن فکر وابستہ کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے' رسول کی طاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام ہی نسل انسانی کے لئے حق و صداقت کا چہرہ پہچاننے کا ذریعہ ہیں۔

آخرت:

جن حقیقتوں پر ہمارے لئے ایمان لانا ضروری ہے' ان میں ایک آخرت کا عقیدہ ہے قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالیوم الاخر کا ذکر کیا جاتا ہے' مثلاً کہیں فرمایا گیا ہے:۔

"من امن باللہ والیوم الاخر" (جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا)

کہیں ارشاد ہوا

"یومنون باللہ والیوم الاخر" (اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں)

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بتلاتی ہوئی اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے اور اس پر یقین کیا جائے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک

Marfat.com

اور زندگی اور ایک اور عالم آنے والا ہے اور وہاں انسان کو اس دنیا میں کئے ہوئے ان کے برے اور بھلے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی یہ اس عقیدہ کا اجمال ہے' قرآن و سنت میں اس کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔

آخرت کے بارے میں اتنی مختصر بات تو ہر شخص کی سمجھ میں خود بھی آسکتی ہے کہ ہماری اس زندگی کے بعد کوئی اور ایسی زندگی ضرور ہونی چاہئے جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا ملے' کیونکہ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ عمر بھر بڑی بڑی برائیاں کرتے ہیں' ڈاکے مارتے ہیں' غریبوں کا خون چوستے ہیں' رشوتیں لیتے ہیں' کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں' لوگوں کے حق مارتے ہیں' اور زندگی بھر عیش اڑاتے ہیں اور اسی حال میں مرجاتے ہیں' اسی طرح بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ بیچارے بڑی نیکی کی زندگی گزارتے ہیں' کسی پر ظلم نہیں کرتے' کسی کے ساتھ دغا اور دھوکا نہیں کرتے' کسی کا حق نہیں مارتے' اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں' اس کی مخلوق کی خدمت بھی کرتے ہیں اس کے باوجود ان کی ساری زندگی تنگی اور تکلیف سے گزرتی ہے کبھی کوئی بیماری آرہی ہے کبھی کوئی تکلیف اور پریشانی ہے اور اور اسی حال میں اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

جزا اور سزا کا طریقہ :

تو جب یہ دنیا اللہ کی پیدا کی ہوئی دنیا ہے اور وہ ہمارے سب اچھے برے اعمال کو دیکھتا ہے اور ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہاں اس دنیا میں نہ نیکوں کو ان کی نیکی کا صلہ اور انعام مل رہا ہے اور نہ مجرموں کو ان کے ظلم کی کوئی سزا دی جا رہی ہے تو خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پھر اللہ کی طرف سے یہ جزا اور سزا کسی دوسری زندگی میں ملنی چاہئے' یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے یہاں ایسا اندھیر ہو کہ نہ نیکوں کی نیکی کی کوئی قدر ہو اور نہ ظالموں اور بدکاروں کی بدمعاشی اور بدکاری اور ان کے ظلم و ستم پر کوئی باز پرس ہو' اور سارے پارساؤں اور پرہیزگاروں اور چوروں ڈاکوؤں کے ساتھ اندھیر نگری والا ایک ہی برتاؤ ہو' اللہ تعالیٰ کی ہستی تو بہت بلند ہے'

Marfat.com

یہ طرز عمل تو کسی بھلے آدمی کے بھی شایان شان نہیں کہ وہ شریفوں شریروں' ظالموں اور مظلوموں کے ساتھ ایک ہی سا برتاؤ کرے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

"افنجعل المسلمین کالمجرمین" ۳۵؍۶۸

(کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کریں)

الغرض اس دنیا میں جزا اور سزا کے نہ ہونے سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ایسی ہونی چاہئے جس میں لوگوں کو ان کے کیے کی جزا اور سزا ملے۔

یہی بات ایک دوسرے عنوان سے یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر چیز کے کچھ خواص اور آثار ہیں مثلاً آگ کی خاصیت جلانا ہے' پانی کی خاصیت بجھانا اور صفائی کرنا ہے' اسی طرح ہر جڑی بوٹی میں بھی کچھ خاصیتیں ہیں' ایسے ہی انسان کے مادی اعمال کے بھی خواص اور آثار ہیں جو لازماً" ظاہر ہو کے رہتے ہیں' مثلاً کھانا کھاتا ہے تو اس سے اس کی بھوک مرتی ہے' آسودگی آتی ہے۔ اسی طرح پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے' اگر کوئی سخت چیز کھا لی جائے تو پیٹ میں درد ہو جاتا ہے' بہت زیادہ کھا لیا جائے تو بدہضمی ہو جاتی ہے' زہر کھانے سے آدمی مر جاتا ہے' دوا استعمال کرنے سے مرض جاتا رہتا ہے' کوئی ٹانک اور مقوی دوا کھانے سے طاقت اور توانائی آجاتی ہے۔۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کے اخلاقی اعمال خواہ وہ اچھے ہوں یا برے اس کے مادی اعمال سے زیادہ اہم اور اعلیٰ ہیں۔ اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے اخلاقی اور اعمال کا کوئی اثر کوئی نتیجہ اور کوئی خاصیت ہی نہ ہو۔۔۔ مثلاً ایک شخص اپنا کھانا خود کھانے کے بجائے کسی دوسرے بھوکے کو کھلا دیتا ہے اور خود بھوکا رہتا ہے یا کسی پیاسے کو پانی پلاتا ہے اور خود پیاس کی تکلیف اٹھاتا ہے' کسی لاوارث بیمار کی محض اللہ واسطے خدمت اور تیمارداری کرتا ہے' یا غریبوں یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتا ہے اور اپنی محنت سے کمایا ہوا مال ان پر خرچ کرتا

Marfat.com

ہے' تو انسانی عقل اور فطرت کا یہ کھلا ہوا تقاضا اور فیصلہ ہے کہ ان نیک اعمال کے بھی اثرات اور نتائج ظاہر ہونے چاہئیں اور وہ مادی اعمال کے نتائج و آثار سے بہت زیادہ اہم اور اعلیٰ ہونے چاہئیں۔

اسی طرح اگر ایک شخص ظلم کرتا ہے' زیر دستوں اور کمزوروں کو ستاتا ہے' امانت میں خیانت اور معاملات میں دھوکہ بازی کرتا ہے' رشوت لیتا ہے' یا ڈاکے ڈالتا ہے بے رحم ہے' بے درد ہے' جلاد ہے اللہ کے بے گناہ بندوں کا خون بہاتا ہے اللہ کو کبھی بھولے سے یاد نہیں کرتا' غرض اپنے وقت کا فرعون اور نمرود ہے' تو ہماری عقل کہتی ہے کہ اس کی ان بداعمالیوں کے نتائج بھی نہایت سنگین ہونے چاہئیں اور سامنے آنے چاہئیں۔ آخر انسان جب اپنی معمولی سے معمولی ہر مادی غلطی کا خمیازہ بھگتتا ہے تو اتنی بڑی اخلاقی غلط کاریوں کا نتیجہ کیوں نہ بھگتے گا۔

اس بات کو قرآن حکیم نے یوں ذکر کیا ہے:

ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلہم کا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون[25]

(جن لوگوں نے خوب پیٹ بھر کے بدکاریاں اور بدمعاشیاں کی ہیں' کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان مجرموں کو اپنے ان نیک بندوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور ان کا انجام اور جینا مرنا برابر اور یکساں ہو گا بہت نادرست اور بالکل بے ہودہ ہے ان کا یہ خیال)

بہر حال جب ہم یہ بات کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ انسان کے مادی اعمال کا نتیجہ اور اثر تو یہاں ظاہر ہوتا ہے لیکن بسا اوقات اخلاقی اور روحانی اعمال کا کوئی اثر اور کوئی نتیجہ یہاں ظاہر نہیں ہوتا تو ہماری عقل و فطرت اور ہماری سمجھ بوجھ ضروری قرار دیتی ہے کہ پھر اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ایسی ہونی چاہیے جس میں ان اچھے یا برے اخلاقی اور روحانی اعمال کے آثار و خواص اور نتائج ظاہر ہوں' اور انسانوں کو ان کی نیکو کاریوں اور بدکاریوں کی جزا اور سزا ملے۔

Marfat.com

جزا اور سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دی جاتی ؟

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر اسی دنیا میں ہر برائی اور بھلائی کی سزا اور جزا مل جایا کرتی تو پھر یہ زندگی امتحانی زندگی نہ رہتی' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان کی دنیا بنایا ہے اور جزا و سزا کو یعنی عذاب و ثواب کو غیب کے پردہ میں رکھ کر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یہ اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی یہاں میرے احکام کی فرمانبرداری کرے گا اور نیکی کی زندگی گزارے گا میں اس کو آئندہ زندگی میں یہ انعام دوں گا' اور جو کوئی سرکشی کرے گا' اور نافرمانی و بدکرداری کی زندگی گزارے گا میں اس کو ایسی ایسی سزائیں دوں گا' تو اگر بالفرض ہر برائی بھلائی کا بدلہ اسی دنیا میں ہاتھ کے ہاتھ اور نقد مل جایا کرتا تو یہ امتحان نہیں ہو سکتا تھا' پھر تو ہر آدمی نافرمانی سے اسی طرح بچتا جس طرح آگ میں کودنے سے ہر ایک بچتا ہے' اور نیکی کرنے کے لئے ہر ایک اسی طرح مجبور ہوتا جس طرح کھانے پینے کے لئے مجبور ہوتا ہے' اور پھر عذاب و ثواب بے معنی ہوتا۔

اس کے علاوہ ایک وجہ جزا اور سزا کو دوسرے عالم میں رکھنے کی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کو جو صلہ اور انعام دینا چاہتا ہے اور جیسی چین و آرام والی زندگی انہیں بخشنا چاہتا ہے اس دنیا میں اس کا کوئی امکان ہی نہیں ہے' اور اسی طرح اپنے نافرمانوں کو وہ جو سخت ترین سزا اور عذاب دینا چاہتا ہے اس کی برداشت کی بھی ہماری اس دنیا میں طاقت نہیں ہے' یعنی وہ اتنا سخت ہے کہ اگر وہ اس دنیا میں ظاہر ہو جائے تو یہاں کا سارا چین و آرام ختم ہو جائے اور یہ دنیا سوخت ہو کر رہ جائے' یہ دنیا تو بڑی کمزور اور بہت محدود طاقت رکھنے والی دنیا ہے اور پھر اس کا نظام ایسا ہے کہ اس میں راحتیں اور تکلیفیں ملی جلی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو ان کی روحانی اور اخلاقی نیکیوں کے صلہ میں جو چین و آرام کی زندگی دینا چاہتا ہے وہ کسی ایسی ہی جگہ اور ایسے ہی کسی عالم میں ممکن ہے جہاں کسی تکلیف کا گزر نہ ہو' اور وہاں صرف بہار ہی بہار ہو' اسی طرح اپنے مجرموں اور نافرمانوں کو ان کی اخلاقی

Marfat.com

اور روحانی بدکرداریوں کی جو سخت سزا اور جو دردناک عذاب وہ دینا چاہتا ہے وہ کسی ایسے ہی عالم میں ممکن ہے جہاں بس دکھ ہی دکھ اور تکلیف ہی تکلیف ہو۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ بندوں کے اچھے برے اعمال کی جزا اور سزا اس دنیوی زندگی کے بعد والی زندگی میں اور دوسرے عالم میں دے گا بس وہی عالم آخرت کا عالم ہے اور اس کے دو حصے ہیں' ایک جنت اور ایک دوزخ' جنت میں اللہ کے انعام اور اس کے خاص فضل و کرم کا ظہور ہو گا' اور دوزخ میں اس کے صرف قہر و غضب کا ظہور ہو گا اور یہ دونوں ظہور اعلیٰ پیانہ پر ہوں گے اور بس وہیں پوری خدائی شان ظاہر ہو گی۔

خدائی شان اور اس کے جلال و جمال کے ظہور کے لئے بھی آخرت کی ضرورت ہے:

عالم آخرت کی اور جنت و دوزخ کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اللہ کے مہر و قہر اور جلال و جمال کا ظہور اعلیٰ پیانہ پر ہو سکے۔ ہماری اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا اگرچہ ظہور ہے لیکن پورے ظہور کی اس دنیا میں برداشت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ظہور بہت محدود ہے' یعنی یہاں اللہ کی جن جمالی صفات کا ظہور ہو رہا ہے وہ بھی محدود ہیں؟' اور جن جلالی صفات کا ظہور ہو رہا ہے وہ بھی محدود ہیں' پورے اور کامل ظہور کی ہماری یہ دنیا تاب ہی نہیں لا سکتی بہر حال اس لئے بھی ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلال و جمال کا کامل ظہور ہو سکے۔

در اصل یہ ظہور ہی تو عالم کی تخلیق کا خاص مقصد ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ بساط اسی لئے بچھائی ہے کہ اس کی صفات کمال کا ظہور ہو' پس آخرت کو اگر نہ مانا جائے تو یہ مقصد کہاں پورا ہو گا لہٰذا اس وجہ سے بھی اس دنیا کے خاتمہ کے بعد عالم آخرت کا برپا ہونا ضروری اور ناگزیر ہے۔

عقیدہ آخرت کا اثر انسان کی زندگی پر

انسانی اعمال کی جزا سزا کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال اور قہر و مہر کے

Marfat.com

کامل ظہور کے لئے عالم آخرت کا از روئے عقل ضروری ہونا تو معلوم ہو چکا' اس کے بعد اس پر بھی غور کیجئے کہ انسانی زندگی کے سدھار میں عقیدہ آخرت کو کتنا دخل ہے' دنیا کی تاریخ سے واقفیت اور غور و فکر کی کچھ صلاحیت رکھنے والا کوئی آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ برائیوں اور بد اخلاقیوں سے انسان کو آخرت کا یقین و ایمان جس قدر بچاتا ہے اور بچا سکتا ہے کوئی دوسری چیز اور کوئی دوسرا انسانی انتظام اس قدر نہیں بچا سکتا۔

بے شک حکومت کا قانون اور تہذیبی ترقی یا برائی بھلائی کا احساس اور نفس کی شرافت بھی انسان کو برائیوں اور بد اخلاقیوں سے بچانے والی چیزیں ہیں لیکن یہ اتنی موثر اور کارگر نہیں ہوتیں جتنا کہ مرنے کے بعد کی جزا سزا کا یقین اور آخرت پر ایمان بشرطیکہ زندہ یقین اور حقیقی ایمان ہو' صرف نام کا ایمان اور بے جان عقیدہ نہ ہو۔

عقیدے اور نظریے کی وضاحت کے بعد عمل کی بات شروع کرتے ہیں۔ چند اعمال ایسے ہیں جن کے بغیر آدمی مومن نہیں کہلا سکتا۔ ان اعمال کو اسلام کی زبان میں ارکان اسلام کہتے ہیں۔ تیسرے باب میں انہی کی وضاحت ہے۔

Marfat.com

باب: ۲

حواشی و حوالہ جات

۱: الجامع الصحیح۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری۔ کتاب الایمان
۲: ایضاً۔ اسی حدیث سے کتاب کی ابتداء ہوتی ہے۔
۳: اصول اسلام۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی (الطبع: مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۹۷۵ء) ص: ۶
۴: ایضاً۔ ص: ۸، ۹
۵: الصحیح۔ مسلم بن حجاج قشیری۔ کتاب الایمان
۶: القرآن: ۲ (البقرۃ)، ۲۵۵
۷: القرآن: ۲ (البقرۃ)، ۲۵۵
۸: القرآن: ۲ (البقرۃ)، ۲۵۵
۹: القرآن: ۲۹ (عنکبوت)، ۶۱
۱۰: القرآن: ۱۰ (یونس)، ۳۱
۱۱: القرآن: ۱۷ (بنی اسرائیل)، ۵۷
۱۲: القرآن: ۳۵ (الفاطر)، ۲
۱۳: الجامع الصحیح۔ امام بخاری کتاب الانبیاء۔ نیز دیکھئے: دین و شریعت۔ مولانا محمد منظور نعمانی، اصول اسلام۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، خطبات رسول۔ مرتبہ: محمد میاں صدیقی
۱۴: موطا۔ امام مالک بن انس
۱۵: ایضاً۔ نیز: الصحیح امام مسلم

Marfat.com

۱۶: القرآن: ۱۷ (بنی اسرائیل)، ۹۵

۱۷: القرآن: ۱۲ (یوسف)، ۱۰۹

۱۸: القرآن: ۱۷ (بنی اسرائیل)، ۹۴

۱۹: یہ مضمون سورہ اعراف کی آیت نمبر ۳۵ سے ماخوذ ہے۔

۲۰: القرآن: ۱۰ (یونس)، ۴۷

۲۱: القرآن: ۳۵ (الفاطر)، ۲۴

۲۲: القرآن: ۲ (البقرۃ)، ۶۲

۲۳: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۱۴

۲۴: القرآن: ۶۸ (القلم)، ۳۵

۲۵: القرآن: ۴۵ (الجاثیہ)، ۲۱

باب: ۲ میں مذکور موضوع سے متعلق مزید تفصیل کے لئے مطالعہ کیجئے:

عقائد الاسلام۔ مولانا عبدالحق حقانی

عقائد الاسلام۔ مولانا محمد طاہر قاسمی

علم الکلام۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی

عقائد الاسلام۔ 〃 〃 〃

اسلام کیا ہے؟۔ مولانا منظور نعمانی

تعلیمات اسلام۔ مولانا عبدالحی چشتی

معارف الحدیث۔ مولانا محمد منظور نعمانی

Marfat.com

Marfat.com

باب: ۳

ارکانِ اسلام

Marfat.com

Marfat.com

باب: ۳

ارکان اسلام

عن عبدالله بن عمر بن الخطاب رضی الله عنهما قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا عبده و رسوله و اقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ و حج البیت و صوم رمضان (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرماتے ہیں۔ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا' (۳) زکوۃ ادا کرنا' (۴) بیت اللہ کا حج کرنا' (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتایا ہے کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس عمارت کا حال ہوتا ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو اگر ان میں سے کوئی ایک ستون بھی گر جائے تو عمارت کمزور ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کا وہ حصہ جو اس ستون پر قائم ہے گر جاتا ہے۔ عمارت کو مضبوط اور مستحکم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام ستونوں کو باقی رکھا جائے اور ان کی حفاظت کی جائے۔ یہی حال دین کی عمارت کا ہے' اگر اس کے تمام ارکان کی حفاظت کی جائے گی تو یہ عمارت قائم و دائم رہے گی اور اگر اس کے کسی ایک یا بعض ارکان کو چھوڑ دیا گیا تو دین کی عمارت بھی منہدم ہو جائے گی۔

حدیث میں جن پانچ ارکان کا ذکر کیا گیا ہے' ان کی مختصر وضاحت یوں ہے۔

Marfat.com

توحید و رسالت کا اقرار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی پہلی بنیاد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بیان کی۔ اسے کلمہ طیبہ کہتے ہیں۔ اس کے دو حصے ہیں (۱) لا الہ الا اللہ (۲) محمد رسول اللہ

اس کلمہ کا پہلا حصہ اسلام کی حقیقی اور اولین بنیاد ہے' اس کلمہ کے اقرار سے انسان اور انسان میں زبردست فرق ہو جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ تمام کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس لائق ہو کہ اس کی بندگی کی جائے اور اس کے آگے سر جھکایا جائے' وہی ذات تمام طاقتوں کی مالک ہے' تمام چیزیں اس کی محتاج ہیں لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس بات پر یقین رکھے کہ ....

"اللہ ہی پیدا کرنے والا' رزق دینے والا' صحت اور بیماری دینے والا اور اولاد دینے والا ہے۔ اس کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے' کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے' اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہی عقیدہ توحید ہے۔"

کلمہ توحید کا دوسرا حصہ "محمد رسول اللہ" ہے۔ یہ عقیدہ رسالت کہلاتا ہے۔ توحید کے ساتھ اہل اسلام کو اس بات کی شہادت دینے کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ ...

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' توحید کے بعد اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ "رسالت" ہے۔"

جب انسان نے یہ بات مان لی کہ صرف ایک اللہ کی بندگی ضروری ہے اور اس کی فرماں برداری کے بغیر آخرت کی نجات ممکن نہیں' تو پھر انسان اس بات کا محتاج ہوا کہ کوئی ذات اور ہستی اسے یہ بتائے کہ اللہ (وحدہ لا شریک) کی فرماں برداری کس طرح کی جائے۔ کن کاموں سے اللہ خوش ہوتا ہے' اور کون سے کام اس کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں؟ یہ بتانے کے لئے اللہ اپنے جن پسندیدہ بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے وہ رسول کہلاتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس بات کو تسلیم کرے کہ وہ جو

Marfat.com

کچھ پیش کر رہے ہیں اللہ کے حکم سے پیش کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔

قرآن نے اللہ کی اطاعت (فرماں برداری) کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "کلمہ طیبہ" توحید اور رسالت کے دو بنیادی عقیدوں پر مشتمل ہے۔

نماز

توحید و رسالت کے عقیدہ کے بعد اسلام کے چار عملی ارکان ہیں۔ ان میں نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ قرآن اور حدیث میں نماز کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین (۲)

(یعنی نماز قائم رکھو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو۔)

قرآن کریم میں جتنی مرتبہ نماز کا ذکر ہے' اتنی مرتبہ کسی دوسری عبادت کا نہیں۔ نماز تربیت کا اہم حصہ ہے' اس لئے ہرامت پر فرض رہی ہے۔ تمام انبیاء اپنی امتوں کو نماز کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت زکریا' حضرت موسیٰ' اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے نمازی ہونے کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد تیرہ برس مکہ میں گزارے' مکی زندگی پر مسلمانوں پر صرف یہی ایک عبادت (نماز) فرض تھی' باقی عبادات مدنی زندگی میں فرض ہوئیں۔ ابتداء میں صبح و شام کی دو نمازیں فرض تھیں اور وہ بھی دو دو رکعت۔ واقعہ معراج کے بعد دن رات میں نمازوں کی تعداد پانچ ہو گئی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر نماز باجماعت کا آغاز کیا گیا' مسجد نبوی تعمیر کی گئی' رکعات کی تعداد نماز فجر کے علاوہ ظہر' عصر اور عشاء کی چار چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت

Marfat.com

کر دی گئی۔ اذان کا طریقہ رائج ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر' حضر' بیماری' حتیٰ کہ جنگ کی حالت میں بھی نماز ترک نہیں کی۔ عام مسلمانوں کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ وہ کسی حال میں نماز نہیں چھوڑیں گے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں احکام نرم کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً بیماری کی حالت میں اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت' سفر میں دو رکعت' پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی سہولت۔ خواتین کو ان کے بعض خاص دنوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی معراج' اور اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا ہے۔ نماز امیر وغریب' مرد و عورت' بوڑھے جوان' اور بیمار و تندرست سب پر یکساں فرض ہے۔ ایسا فرض جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا' کھڑے ہو کر ادا نہیں کر سکتے تو بیٹھ کر' بیٹھنے کی بھی قوت نہیں تو لیٹ کر' منہ سے نہیں بول سکتے تو اشاروں سے ادا کرو۔ کسی سخت مجبوری کی وجہ سے ٹھہر کر نہیں پڑھ سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو' زمین پر کھڑے ہو کر ادائیگی ممکن نہیں تو سواری پر ادا کرو' اگر قبلے کی طرف رخ کرنا ممکن نہیں تو جس طرف رخ کر کے پڑھ سکتے ہو' پڑھو۔

نماز کیا ہے؟ مخلوق کا اپنے خالق کے سامنے دل' زبان اور ہاتھ پاؤں سے بندگی کا اظہار' رحمان و رحیم کی یاد' رب الارباب کے بے پایاں احسانات کا شکر' اس کی یکتائی اور کبریائی کا اقرار' نماز غلام و آقا کی درمیان تعلق کی گرہ اور وابستگی کا ذریعہ ہے' بے قرار اور بے چین روح کے لئے تسکین و راحت کا سامان' اور مایوس دلوں کے لئے امید و آس ہے۔

کسی ان دیکھی طاقت کے آگے سر تسلیم خم کرنا' اس کے حضور جبین عجز و نیاز جھکانا' اور مصیبتوں اور مشکلوں میں اس سے تسلی پانا' انسان کی فطرت ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ انسان کی اس فطری حالت کا نقشہ کھینچا ہے اور پوچھا ہے کہ تم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں' ظاہری مدد کے لئے وسیلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ کے سوا

Marfat.com

کون ہے جسے تم پکارتے ہو اور جو تمہاری مدد کرتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ ہر آسمانی مذہب میں اللہ کی یاد کا حکم اور حمد وثنا ہے تو یہودیوں میں مزمور' عیسائیوں میں دعاء' پارسیوں میں زمزمہ' اور ہندوؤں میں بھجن ہیں اور ان کی ادائیگی اور بجاآوری کے لئے اوقات کا بھی تعین ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی کو نفاق کی علامت اور چھوڑ دینے کو کفر کی نشانی کہا ہے۔

نماز کی روحانی غرض و غایت یہ ہے کہ خالق کل' اور مالک کائنات کے بے پایاں لطف و کرم' اور احسانات کا شکر دل اور زبان سے ادا کریں تاکہ نفس اور دل و دماغ میں اس کی کبریائی' اور اپنی بے چارگی اور درماندگی کا احساس زندہ رہے۔

جب ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کی کیفیت پوچھی تو آپؐ نے فرمایا:

"تم اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔" (۳)

مقصد یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت ایسی کیفیت طاری ہونی چاہئے گویا نمازی اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر ایسی کیفیت طاری نہیں ہوتی تو یہ احساس اور یقین ضرور پیدا کرنا چاہئے کہ اللہ نمازی کو دیکھ رہا ہے۔

جب ہم نماز میں ہوں' ہمارا سر خالق حقیقی کے آگے جھکا ہوا ہو' اس وقت اس کے حاضرو ناظر ہونے کا تصور لازوال یقین کی صورت میں ہونا چاہئے۔ اس کی محبت کا نشہ رگ رگ میں سرائیت کر جائے۔ ہم اپنے ہر ارادے' ہر نیت' اور عمل کے وقت اس کی نگاہیں اپنی طرف اٹھتی ہوئی دیکھیں' برے ارادوں پر شرمائیں' اور ناپسندیدہ کاموں سے رک جائیں' ایسی ہی نماز کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (۴) (تحقیق نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے)۔

جب انسان کے دل میں یہ کیفیت رچ بس جاتی ہے کہ میرا کوئی ارادہ' اور کوئی

Marfat.com

عمل اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں تو پھر یقیناً وہ ہر برے کام سے رک جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے صحابہ کرام میں یہی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ قرآن نے ان الفاظ میں اس کی گواہی دی: " رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله " (۵) (یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارتی کاروبار اور خرید وفروخت کے مشاغل اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔)

نماز کو رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے مومن کی معراج اور اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ : " قیامت کے دن جب عبادات کے بارے میں سوال ہو گا تو سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ " نماز ایمان اور کفر کے درمیان فرق کرتی ہے۔" (۷)

نماز پنج گانہ کے علاوہ جمعہ' عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں بھی مسلمانوں پر واجب ہیں۔ نماز پنج گانہ اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں یہ فرق ہے کہ پنج گانہ نمازیں جماعت کے بغیر تنہا پڑھنے سے بھی ادا ہو جاتی ہیں مگر جمعہ اور عیدین کی نمازیں جماعت کے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔

نماز کے انفرادی فوائد

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو "اللہ کے ساتھ بندہ کی مناجات اور سرگوشی سے تعبیر کیا ہے۔" گویا نماز کے ذریعے بندہ دن میں پانچ بار اپنے معبود برحق کے حضور کھڑا ہوتا اور اس سے سرگوشی کرتا ہے۔

۲۔ نماز کے ذریعے بندہ اس حقیقت اور اپنے اس اذعان و یقین کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے مالک اور حاکم ہیں اور میں ان کا عاجز و ناتواں بندہ ہوں۔

۳۔ نماز مسلمان کو یہ احساس دلاتی ہے کہ اسے اپنے معبود حقیقی سے قرب حاصل ہے۔ اللہ ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔ اللہ کے قریب ہونے کا احساس مسلمان کو روحانی تسکین اور تقویت کا باعث بنتا ہے' اس کے دل میں غیر اللہ کا خوف مٹ جاتا

Marfat.com

ہے' اس کی نظر اس بات پر رہتی ہے کہ جب میں دن میں پانچ بار "احکم الحاکمین اور رب العالمین" کے دربار میں حاضر ہوتا ہوں' اسے میری ہر بات کا علم ہے۔ پھر مجھے کسی سے ڈرنے' کسی کے آگے سر جھکانے اور ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔

۴۔ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بڑی اور قابل احترام ہستی کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ خود کو زیادہ سے زیادہ اچھی حالت میں پیش کرے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اس کی ناگواری کا باعث بنے' اللہ جو سب سے عظیم ہستی ہے اس کی بارگاہ میں قرب اور حاضری سے آدمی کے دل میں یقیناً یہ احساس پیدا ہوگا کہ وہ بری باتوں سے دور رہے اور کسی ایسے عمل کا ارتکاب نہ کرے جو احکم الحاکمین کی ناراضگی کا سبب بنے۔

۵۔ نماز بندہ کے دل میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کے احساس کو پختہ کرتی ہے' یہی احساس بندہ کو شر' فساد' گمراہی' اور بدی کو روکنے کا ذریعہ اور محرک بنتا ہے اور یہی مفہوم ہے ارشاد ربانی کا کہ "نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

۶۔ دن میں پانچ مرتبہ وضو کرنے سے آدمی صاف ستھرا اور تروتازہ رہتا ہے۔ کپڑوں کی بھی پاکی اور صفائی کا خیال رکھتا ہے' جسم اور کپڑوں کا پاک صاف رہنا صحت کے لئے ضروری ہے۔

نماز کے اجتماعی فوائد

۱۔ باہم انسانوں کے درمیان میں اونچ نیچ اور فرق مراتب ہے باجماعت نماز سے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ مسجد میں پہنچ کر دولت' تعلیم عہدہ اور ذات پات کا فرق مٹ جاتا ہے' سب ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۲۔ دن میں جب پانچ بار ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں تو آپس میں میل جول بڑھتا ہے۔ محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے' ایک دوسرے کے مسائل اور حالات کا علم ہوتا ہے' اس طرح ایک دوسرے کی مدد کرنے اور اس کے کام آنے کا موقع ملتا ہے۔

۳۔ جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بطور خاص مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا

Marfat.com

ہوتا ہے' جب ہزاروں مسلمان رنگ' نسل' علاقہ اور زبان کے امتیازات سے بے نیاز ہو کر صفیں باندھ کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو اس سے ان میں فکری وحدت' اور عملی مساوات کا احساس بیدار ہوتا ہے۔

۴۔ باجماعت نماز میں ایک امام کا تقرر اور اس کی پیروی مسلمانوں میں اجتماعی نظم و ضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔ فکری ہم آہنگی' عملی مساوات اور ایک قائد کی قیادت پر بھرپور اعتماد اور بھروسہ مسلمانوں کو کسی مشکل سے مشکل اور پیچیدہ مہم کو سر کرنے میں مدد دیتا ہے۔

۵۔ مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے اور علاقے کے لوگوں کو دن میں بار بار مسجد میں آتے جاتے دیکھ کر بے نمازی لوگوں کو بھی نماز کی ترغیب و تحریص ہوتی ہے اور وہ بھی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

نماز کے چند ضروری احکام

نماز سے پہلے جسم اور کپڑوں کا پاک صاف ہونا ضروری ہے۔ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کریں تو وضو کریں' وضو کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی۔ (۸)

اگر کہیں ایسی صورت پیش آجائے کہ وضو کے لئے پانی نہ ہو یا اتنی شدید سردی ہو کہ پانی سے وضو کرنا ممکن نہ ہو اور گرم پانی بھی ملنے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پاک مٹی پر دونوں ہاتھ رکھ کر چہرے اور کہنیوں پر پھیر لینے کو تیمم کہتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی بیماری ہو کہ پانی کا استعمال مرض میں اضافہ کا باعث ہو تب بھی تیمم کر سکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص سفر میں ہے تو وہ قصر نماز ادا کرے۔ قصر نماز کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کے تین فرض کے علاوہ ظہر' عصر' اور عشاء کے فرض دو' دو ادا کرنے ہوں گے۔ صبح کی نماز دو رکعت ہی رہے گی بلکہ دو فرضوں سے پہلے پڑھی جانے والی دو سنتیں بھی ادا کرنی ہوں گی۔ اس طرح نماز عشاء کے بعد تین رکعت وتر بھی ادا کئے جائیں گے۔ سنتوں کے لئے اگر وقت اور موقع ہو اور ادا کر لی جائیں تو زیادہ ثواب کا

Marfat.com

باعث ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک سفر کی حد ۴۸ میل ہے۔ یعنی آدمی جس شہر میں رہتا ہے وہاں سے کم از کم اڑتالیس میل کی مسافت پر جائے تو مسافر سمجھا جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک ۳۶ میل کے بعد آدمی مسافر ہو جاتا ہے۔

قصر نماز کی رعایت اس صورت میں ہو گی جب ایک ہی جگہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو۔ اگر پندرہ دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو تو پھر اول دن سے پوری نماز ادا کرے۔

امام ابوحنیفہ کے علاوہ باقی فقہاء کے نزدیک سفر' خوف' اور سخت بارش کی صورت میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو' اور مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ملا کر (اکٹھا) پڑھا جا سکتا ہے۔ (۹)

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لغوی معنی بڑھنے اور پاک صاف ہونے کے ہیں۔ (۱۰) قرآن کریم میں یہ لفظ پاک صاف ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قد افلح من تزکی یعنی کامیابی سے ہمکنار ہوا وہ شخص جو پاک صاف ہوا۔

اس کا مقصد اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ دوسری عبادات کی طرح اس سے بھی مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا' اپنے نفس کی تطہیر اور تزکیہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر برائیوں کی جڑ مال اور مرتبے کی محبت ہے بلکہ مال کی محبت' مرتبے کی محبت سے بھی زیادہ عام ہے اور فتنہ و فساد کا ذریعہ بنتی ہے۔ زکوٰۃ انسانوں کے دل سے مال کی محبت ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

فرضیت زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا بنیادی رکن ہے' اس کی فرضیت متعدد قرآنی آیات' متواتر احادیث نبوی' اور اجماع امت سے ثابت ہے۔(۱۱) اس کی فرضیت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

Marfat.com

فرضیت کا قائل ہونے کے باوجود اگر کوئی اس کی ادائیگی سے انکار کرے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ (۱۲)

حدیث جبرئیلؑ میں ہے کہ جب جبرئیل امین نے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے آپؐ سے سوالات کیئے تو یہ بھی سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ نبی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا

"اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔" (۱۳)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے پانچ بنیادی ارکان بیان فرمائے۔ جن میں اول اقرار شہادتین، دوسرے نماز، اور تیسرے زکوٰۃ۔ گویا سنت نبوی نے زکوٰۃ کو اسلام کا تیسرا رکن قرار دیا ہے۔ بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے بعض ارکان کا ذکر فرماتے اور بعض کا ذکر نہ فرماتے مگر نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ضرور فرماتے اور ان پر بیعت لیتے۔ قرآن کریم نے بھی اسلام کے عملی ارکان میں انہیں دو رکنوں کو زیادہ اہمیت اور اولیت دی ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں

۱۔ مسلمان ہونا : زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو۔ غیر مسلمان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۲۔ بالغ ہونا : زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط بالغ ہونا بھی ہے۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۳۔ عاقل ہونا : اگر ایک شخص مستقل طور پر دیوانہ ہے لیکن کسی طرح صاحب نصاب ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگر مستقل طور پر دیوانہ نہیں ہے کسی بیماری کے سبب دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی تو اگر یہ کیفیت سال بھر جاری رہی تب بھی زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

Marfat.com

۴۔ صاحب نصاب ہونا : مال کا نصاب کے مطابق ہونا بھی زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے شرط ہے۔ اگر نصاب سے کم مال ہو گا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے' اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے۔ نقد روپیہ کا نصاب چاندی کی قیمت کے تابع ہو گا۔ یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی جو قیمت ہو گی اتنی رقم نصاب سمجھی جائے گی۔

۵۔ مالک ہونا : زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ نصاب پر مالک کی ملکیت مکمل ہو۔ ملکیت کے مکمل ہونے کے مطلب یہ ہے کہ اس پر قبضہ ہو۔ اگر قبضہ نہیں ہو گا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ مثلاً بیوی کا مہر شوہر کے ذمہ واجب ہے مگر وہ بیوی کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ اسی طرح ملازمین کے جی پی فنڈ اور سی پی فنڈز ہیں۔ ان پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب وہ ملازم کے قبضے میں آئیں گے۔

۶۔ سال گزرنا : مقدار نصاب مال کے مالک پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس مال پر ایک سال گزر جائے۔ اگر ایک شخص کو کسی ذریعے سے اتنا مال ملا جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مثلاً وراثت میں' کسی فنڈ سے' مہر میں یا خلع کے عوض۔ لیکن اس نے اسے سال گزرنے سے پہلے اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر لیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے سال کا گزرنا شرط ہے۔

۷۔ مال کا قرض سے فارغ ہونا : زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطوں میں ایک شرط یہ ہے کہ مال قرض سے فارغ ہو۔ اگر کسی نے قرض لیا ہے' یا کوئی چیز ادھار خریدی ہے اس کی قیمت ادا کرنی ہے۔ یا کوئی چیز ضائع ہو گئی اس کا تاوان دینا ہے۔ ان تمام صورتوں میں اتنی رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی جتنی رقم اس کو ادا کرنی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے مگر پچاس ہزار روپیہ اسے کسی مد میں ادا کرنا ہے تو پچاس ہزار پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

۸۔ مال کا بنیادی ضروریات سے زائد ہونا : رہائشی مکان' پہننے کے کپڑے'

Marfat.com

گھریلو استعمال کا سامان' سواری' گھریلو ملازم' ذاتی استعمال کے ہتھیار۔ یہ تمام چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات میں داخل ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ان میں بڑھوتری نہیں ہوتی۔ اہل علم کی کتابوں اور اہل پیشہ کے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

ان اجناس اور غلہ جات پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو گھر والوں کے کھانے کے لئے ہوں۔

گھروں میں آرائش کے لئے جو برتن اور سازوسامان ہوتا ہے اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ سونے یا چاندی کے نہ ہوں اور نہ تجارت کے لئے ہوں۔

اہل علم کی کتابوں سے مراد یہ ہے کہ وہ مطالعہ کے لئے ہوں۔ نہ ان سے تجارت مقصود ہو اور نہ کسی اور قسم کی مالی منفعت۔ اس میں قیمت کی کوئی قید نہیں مثلاً کسی عالم' مصنف' معلم' ادیب' شاعر' وکیل یا جج کے پاس ایک لائبریری ہے جو کئی ہزار کتب پر مشتمل ہے اس کی قیمت اگر لاکھوں میں بھی ہو تب بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ یہی صورت اہل پیشہ کے آلات کا ہے' ان کی بھی خواہ کتنی ہی قیمت ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

حرام مال پر زکوٰۃ نہیں ہے

اگر کسی حرام ذریعے سے مال حاصل کیا ہے مثلاً کسی کا مال غصب کر لیا' رشوت کے ذریعے روپیہ کمایا' یا کوئی ایسا ذریعہ اختیار کیا کہ جو شرعی نقطہ نظر سے جائز نہ تھا تو ایسے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی بلکہ ایسے مال سے زکوٰۃ یا صدقہ و خیرات دینا سخت گناہ ہے۔ (۱۴)

زکوٰۃ کی اہم خصوصیات

زکوٰۃ کی بعض ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جن سے حکومتوں کے عائد کردہ ٹیکس محروم ہیں' زکوٰۃ کی سب سے امتیازی خصوصیت جس نے اسے ایک خاص رنگ اور مزاج سے آشنا کیا' اور تقدس اور پاکیزگی عطا کی' یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں انسان کے اخلاق اور دلی کیفیات پر اثر انداز ہونے کی زبردست صلاحیت پیدا کی ہے۔ اللہ کے

Marfat.com

اور اس کے بندے کے باہمی تعلق کو جتنا استوار اور مستحکم زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی کرتی ہے اس تعلق کو اتنا مضبوط و مستحکم کوئی بھی دوسرا ٹیکس نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنے ہی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کیا جائے' اور وہ کیسا ہی منصفانہ کیوں نہ ہو۔

حکومتیں لوگوں پر جو ٹیکس لگاتی ہیں اول تو اس کے صلے میں کسی قسم کی کوئی مالی ترغیبات نہیں ہوتیں' اور اگر بعض مخصوص ٹیکسوں اور مالی عطیات پر حکومتیں کچھ ترغیبات دیتی بھی ہیں تو وہ ان ترغیبات کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں جو اللہ اور اس کا رسول انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں خرچ کرنے) کے صلے میں عطا کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ۔ کہ اس میں سات بالیں اگیں' ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے بڑھوتری عطا کرتا ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا' بڑے علم والا ہے۔

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کرنے کے بعد نہ کوئی احسان جتاتے ہیں نہ تکلیف پہنچاتے ہیں' اس کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۱۵)

زکوٰۃ کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مذہبی اور خاندانی اجارہ داری کو ختم کیا جس سے ایک طرف خود اس اجارہ دار طبقہ کو نقصان پہنچ رہا تھا' اس کے اخلاق بگڑ رہے تھے' وہ ایسا آرام پسند اور عافیت کوش طبقہ بن گیا تھا جس کی گزر اوقات صرف خیرات و صدقات پر تھی۔ وہ اس بات کا عادی ہو گیا تھا کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اسے مفت کا مال ملتا رہے۔ اس کے حصول رزق کی ضمانت صرف یہ رہ گئی تھی کہ فلاں پیغمبر کی اولاد میں سے ہے۔ اس کا تعلق فلاں گھرانے اور فلاں خاندان سے ہے یا فلاں مذہبی عہدے پر فائز ہے۔

دوسری طرف اس طبقے کو نقصان پہنچ رہا تھا جو صدقات و خیرات کے حقیقی

Marfat.com

مستحق ہیں اور جن کی مدد اور دستگیری کو انفاق فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو شخص بھی صدقہ و خیرات دینا چاہتا' یا دینے کے قابل ہوتا وہ قدرتی طور پر یہ سوچتا کہ میں کیوں نہ ایسے آدمی کو صدقہ دوں جو کسی دینی منصب پر فائز ہو' اس کی رگوں میں کسی پیغمبر کا خون ہو' اور وہ کسی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مذہبی اور خاندانی اجارہ داری اور اجتماعی ناانصافی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ آپؐ نے اپنے خاندان (بنی ہاشم) کے لئے زکوٰۃ و صدقات کو حرام قرار دے دیا۔ حالانکہ آپؐ کا خاندان مذہبی نقطہ نظر سے قابل احترام ہونے کے علاوہ اسلامی تاریخ اور دینی جدوجہد کے حوالہ سے بڑی فضیلت رکھتا ہے آپ نے پوری وضاحت کے ساتھ اعلان فرما دیا کہ "صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے"۔

احکام زکوٰۃ

احادیث مبارکہ سے زکوٰۃ کے بارے میں بہت تفصیلی احکام ثابت ہیں۔ (جو فقہ کے کتابوں میں مذکور ہیں) مختصراً یہ جان لینا ضروری ہے کہ کتنے قسم کے اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ وہ اقسام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نقد روپیہ ۲۔ سونا چاندی ۳۔ زرعی پیداوار ۴۔ مویشی (بھیڑ بکری' گائے' بیل' بھینس' اونٹ) ۵۔ معدنیات ۶۔ دفینہ

دفینہ اور معدنیات کے علاوہ تمام اقسام کی کم از کم مقدار مقرر فرمائی جس پر زکوٰۃ لی جائے گی۔ اس مقدار کو "نصاب" کہا جاتا ہے۔ شرح زکوٰۃ بھی مقرر فرما دی جس کی چار قسمیں ہیں: بیس فیصد' دس فیصد' پانچ فیصد' ڈھائی فیصد۔

مصارف زکوٰۃ

زکوٰۃ کہاں کہاں دی جا سکتی ہے اور کن مدات میں اس کا خرچ کرنا جائز ہے؟ اس کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔

" انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمولفة

Marfat.com

قلوبہم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ وابن السبیل " (۶)
اس آیت سے درج ذیل قسم کے لوگوں کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا گیا ہے۔

۱۔ فقراء جس کے پاس کسی قسم کا مال نہ ہو اور کسی پیشہ سے وابستہ ہو۔

۲۔ مساکین جس کے پاس مال ہو اور کوئی پیشہ بھی رکھتا ہو' مگر اس سے گزر بسر نہ ہوتی ہو۔

۳۔ عاملین وہ ملازم اور کارکن جو زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم پر متعین ہوں۔

۴۔ مولفتہ القلوب وہ لوگ جو نئے اسلام لائے ہوں' ان کی تالیف قلب مقصود ہو۔

۵۔ الرقاب وہ لوگ جو غلامی کے بندھن میں گرفتار ہوں' انہیں آزاد کرایا جائے۔

۶۔ غارمین وہ قرض دار جو اپنے قرض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائیں۔

۷۔ فی سبیل اللہ جو لوگ جہاد میں جانا چاہیں اور جہاد میں جانے کے لئے مالی وسائل نہ رکھتے ہوں ان کی مدد کرنا۔

۸۔ ابن السبیل وہ مسافر جو سفر میں گھر جائے' گھر واپسی کا خرچ نہ رہے' اگرچہ گھر پر اس کے پاس روپیہ پیسہ ہو' ایسے شخص کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

حج

حج اسلام کا چوتھا رکن ہے۔ اس کے لفظی معنی قصد اور ارادے کے ہیں اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد و ارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ میں جا کر وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور مکہ کے دوسرے مقدس مقامات کی زیارت اور وہاں حاضر

Marfat.com

ہو کر کچھ مخصوص اعمال و افعال بجالانے کا نام ہے۔

دوسری عبادات کی طرح اس کی غرض و غایت بھی اللہ کی رضا' اور خوشنودی ہی ہے۔ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی امت کو ایک خاص تعلق ہے۔ حج دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہی کی عبدیت اور فدائیت کی نسبت کا ایک ظاہری اور باطنی خاکہ ہے اور حج کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ وہاں پہنچے وہ عمر میں ایک دفعہ اللہ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے اس کے خلیل کی ہیئت بنا کر پہنچے' اور ان کے کامل عبدیت اور کامل محبت والے مسلک سے اپنی وابستگی کا ثبوت دے۔ اور اپنے ظاہر و باطن کو ابراہیمی رنگ سے رنگنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔

نماز ہر روز پانچ مرتبہ لازم ہے۔ روزہ اور زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن حج ایسی عبادت ہے جو مسلمان پر (خواہ وہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو) زندگی میں صرف ایک بار (چند شرائط کے ساتھ) فرض ہوتا ہے۔

حج ایسی عبادت ہے جس میں دوسری تمام عبادتوں کی روح شامل ہے۔ اس میں نماز بھی ہے' قربانی بھی ہے۔ مال خرچ کرنا زکوٰۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ نفسانی خواہشات اور اخلاقی برائیوں سے پرہیز اپنے اندر روزہ کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ گھر سے دوری اور سفر کی تکلیف میں جہاد کا رنگ ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ رکن ستون کو کہتے ہیں۔ گویا اسلام کی چھت جن پانچ ستونوں پر قائم ہوتی ہے وہ کلمہ طیبہ' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ ہیں اور دیکھا جائے تو حج وہ عبادت ہے جو ان پانچوں ارکان کی جامع ہے اور اس میں یہ تمام خصوصیات سمٹ آتی ہیں جو دوسری تمام عبادات میں بمنزلہ روح کار فرما ہیں۔

کلمہ طیبہ کی حقیقت توحید ہے اور حج کا اصل جوہر بھی توحید ہے۔ توحید کا مرکز اول خانہ کعبہ ہے جو دنیا کا وہ پہلا گھر ہے جسے اللہ نے بابرکت ٹھہرایا ہے اور جس کی بنیادیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ اسلام کے ساتھ مل

Marfat.com

کر اٹھائی تھیں۔ حج میں اس گھر کا طواف کیا جاتا ہے اسی کو مرکز نگاہ بنایا جاتا ہے اور اس طرح توحید کے زمزم سے نہاں خانہ دل کو غسل دیا جاتا ہے۔

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے جسے لسان نبوت سے "معراج المؤمنین" کہا گیا ہے۔ جب بندہ اپنے رب کے سامنے خاک پر سرنیاز رکھ دیتا ہے تو اس کے صلے میں دنیوی اور اخروی عظمتیں اور رفعتیں اسے آغوش میں لے لیتی ہیں۔ پانچ وقت کی نماز گویا پانچ وقت کا غسل ہے۔ جس طرح غسل سے بدنی طہارت ہوتی ہے اسی طرح نماز سے روح کی کثافتیں دھل جاتی ہیں اور حج کے دوران نماز کی برکتوں سے بھی اہل ایمان پورے طور پر فیض یاب ہوتے ہیں۔

ایک اور رکن روزہ ہے اور اس کا فلسفہ بھی قدم قدم پر حج کے سفر میں نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔ روزے کا فلسفہ کیا ہے؟ اللہ کی رضا کے لئے اپنی خواہشات کی قربانی اور یہاں بھی حاجی جب احرام باندھ لیتا ہے تو جائز خواہشات کو بھی رضائے خداوندی کے لئے خیرباد کہہ دیتا ہے۔

زکوٰۃ کو لیجئے۔ اس کا اصل مقصد انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ جو شخص اللہ کی بخشی ہوئی دولت میں سے اللہ کے بندوں کا حق نہیں نکالتا' اس کا مال ناپاک ہے اور مال کے ساتھ اس کا نفس بھی ناپاک ہے۔ کیوں کہ اس کے نفس میں احسان فراموشی بھری ہوئی ہے۔ جب ایک مسلمان حج کے لئے تیار ہوتا ہے جس پر ایک زر کثیر خرچ ہوتا ہے تو اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں مال کی ہوس نہیں وہ اللہ کی راہ میں مالی قربانی دینا جانتا ہے۔ اسی طرح حج کی وجہ سے فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے۔

یہ ہیں حج کے بعض اجتماعی اور انفرادی پہلو۔ اب ان کی اہمیت کی روشنی میں خود اندازہ کر لیجئے کہ آج ہم اس عبادت کے معاملے میں کہاں تک سنجیدہ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب بھی لاکھوں کی تعداد میں مسلمان حج کرتے ہیں' مگر بدقسمتی سے تجارت اور نمود و شہرت کا جذبہ اس سلسلے میں بری طرح فروغ پا رہا ہے۔ بہت سے

Marfat.com

لوگ حج کرتے ہیں، مگر ان کے پیش نظر قیمتی سامان کا حصول ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے وہ زمانہ قریب آگیا ہے جس کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اطلاع دی تھی کہ :

"قیامت کے قریب میری امت کے امیر حج کریں گے لیکن سیرو تفریح کی خاطر، علماء حج کریں گے لیکن ریا اور شہرت کے لئے اور غریب حج کریں گے مگر بھیک مانگنے کے لئے۔" (١٧)

روزہ

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزہ بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔ روزہ جس طرح امت مسلمہ پر فرض ہے اسی طرح پچھلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی نشان دہی کی ہے ...

" یایھاالذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون" (١٨)

(اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔)

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ روزہ اتنی اہم اور عظیم الشان عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء اور مرسلین پر اور ان کی امتوں پر فرض کیا۔ دوسرے یہ کہ اپنے نزدیک اس کی مقبولیت اور پسندیدگی کی بناء پر اپنی آخری اور بہترین امت یعنی مسلمانوں پر بھی اس عبادت کو فرض کیا۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے نماز سے، زکوٰۃ سے اور حج سے اللہ کا منشاء یہ ہے کہ بندوں میں پاکیزگی نفس، حسن اخلاق اور لوگوں سے ہمدردی اور محبت پیدا ہو۔ اسی طرح روزہ کا مقصد بھی یہ ہے کہ آدمی رذائل سے پاک صاف ہو، اس میں طہارت نفس پیدا ہو، غریبوں، مسکینوں اور بیکسوں سے ہمدردی اور غم خواری کا جذبہ بیدار ہو، اور انسان دوسروں کے دکھ درد کا مداوا کرنا سیکھے۔

Marfat.com

صوم

کے معنی کام سے رک جانے کے ہیں' خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہوں' گفتگو کرنے سے' یا چلنے پھرنے سے۔ اس بناء پر اگر گھوڑا چلنے پھرنے اور کھانے پینے سے رک جائے تو اسے "صائم" کہتے ہیں۔ تھمی ہوئی ہوا' اور دوپہر کے وقت کو بھی "صوم" کہتے ہیں۔ اس تصور کی بنیاد پر کہ اس وقت سورج وسط آسمان پر ٹھہر جاتا ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے رک جانے کو نام "صوم" ہے۔ روزہ کی حالت میں بھی آدمی دن کے وقت کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جاتا ہے' اس لئے اسے "صوم" سے تعبیر کیا گیا۔

اللہ تعالٰی کی طرف سے مسلمانوں پر یہ بات لازم کی گئی ہے کہ صوم "روزہ کی حقیقت اور معنویت حاصل کرنے کے لئے وہ گناہوں کے ارتکاب سے باز رہیں۔ زبان جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے سے رک جائے۔ کان فضول باتیں سننے سے باز رہیں۔ ہاتھ کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں' قدم غلط راستے کی طرف نہ اٹھیں لور آنکھیں کسی ایسی چیز کو نہ دیکھیں جسے دیکھنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔

رمضان کے روزے سنہ ۲ ہجری میں فرض ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سے لے کر آخر وقت تک خود بھی ہر سال (رمضان میں) روزے رکھے اور دوسرے تمام مسلمانوں کو بھی حکم دیا۔

روزہ کی سب سے نمایاں خصوصیات سحری کھانا' افطاری کرنا' اور نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھنا ہے اور پھر اختتام رمضان پر شوال کا چاند دیکھ کر نماز عیدالفطر سے پہلے صدقہ ادا کرنا ہے۔

روزہ کے فضائل

روزہ کی فرضیت اس کا بنیادی مقصد اور بعض ضروری احکام خود قرآن حکیم نے بیان کئے۔ احکام و مسائل کی تفصیلات اور اس کے فضائل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے معلوم ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا:

Marfat.com

"روزہ آتش دوزخ سے بچانے کے لئے ڈھال ہے"

فرمایا "روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں۔ ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت"

فرمایا "روزہ دار کو ایک خاص دروازہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا' جسے باب الریان یعنی سیرابی کا دروازہ کہتے ہیں۔"

فرمایا "ماہ رمضان کی پہلی دھائی (دس دن) سراپا رحمت ہے' اس کی دوسری دہائی مغفرت ہے اور اس کی آخری دھائی دوزخ سے نجات اور چھٹکارے کے دن ہیں" (۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی بے شمار فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ فضیلتیں روزہ کی ظاہری صورت پوری کرنے والے کے حصہ میں نہیں آتیں۔ اس کے لئے اسلام نے دو شرطیں لگائی ہیں۔ اگر ان کی پابندی کی جائے گی تو روزے کی معنویت اور اس کے روحانی فائدے حاصل ہوں گے اور روزہ دار ان فضیلتوں اور نعمتوں کا مستحق بنے گا' جن کی بشارت جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے دی ہے۔ وہ دو شرطیں یہ ہیں

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ " منْ صام رمضان ایمانا واحتسابا " یعنی رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اللہ کی رضامندی' خوشنودی' اجر و ثواب کے حصول کے لئے اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لئے رکھے جائیں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ صرف کھانے پینے کا روزہ نہ ہو بلکہ تمام اعضاء کو ہر برائی سے روکے۔ آنکھ' کان' زبان کا بھی روزہ ہو۔

اس لئے روزہ دار' روزہ کی حالت میں قدم قدم پر محاسبہ بھی کرتا رہے۔ یعنی اس بات پر نظر رکھے کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے روزے کی حالت میں جن باتوں سے منع کیا ہے' میں کہیں ان کا ارتکاب تو نہیں کر رہا ہوں' اور جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کے بجا لانے میں کوئی

Marfat.com

کوتاہی تو سرزد نہیں ہو رہی ہے۔

جو شخص ان دو شرطوں کو پورا کرے گا' اس کے لئے پھر اللہ کی طرف سے یہ نوید ہے۔ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

" کل عمل ابن ادم یضاعف الحسنة بعشر امثالها الی سبع مائة ضعف قال الله تعال الا الصوم فانه لی وانا اجزی به (۲۰)

(آدمی کے ہر (نیک) عمل کا ثواب اللہ کی طرف سے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جاتا ہے' لیکن روزہ کی بات اور ہے' اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ خاص میرے لئے ہے' اور میں ہی اس کا اجر (جتنا چاہوں گا) دوں گا"

اور جس روزہ دار نے ان دو شرطوں کی بجا آوری نہ کی' اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔

" من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه و شرابه (۲۱)

(جس شخص نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور غلط کاری کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے)۔

روزہ کے اجتماعی فوائد

اسلام کی تمام عبادتیں نماز' زکوٰۃ اور حج افراد پر فرض کی گئی ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انفرادی عبادتیں ہیں۔ ان کے فوائد بھی ان افراد تک محدود رہتے ہوں گے جو ان کو بجا لاتے ہیں' لیکن ایسا نہیں ہے۔ اسلام کی ہر عبادت انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ ہر عبادت کے فائدے ایک فرد اور ایک ذات کو بھی پہنچتے ہیں' اور جماعت کو بھی۔ یہی صورت روزہ کی بھی ہے۔ اس سے فرد کی بھی اصلاح ہوتی ہے' اس میں بھی پاکیزگی اور حسن اخلاق پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ چند اجتماعی فوائد بھی

Marfat.com

ہیں مثلاً

۱۔ انسان جب خود مہینہ بھر (دن میں) بھوکا پیاسا رہے گا تو اسے ان لوگوں کی بھوک پیاس کا احساس ہو گا جو اپنی غربت اور تنگدستی کے سبب بسا اوقات بھوکے پیاسے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس احساس اور تجربہ سے ناداروں کی مدد اور ان سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گا۔

۲۔ بسیار خوری اور وقت بے وقت کھانے سے افراد اور پھر معاشرے میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں' ان سے حفاظت رہے گی۔

۳۔ ایک ہی وقت میں (ایک علاقے میں) جب بہت سے لوگ ایک ہی عبادت میں مصروف ہوں گے۔ ایک ہی وقت میں سحری کھائیں گے' ایک ہی وقت میں افطار کریں گے' اور ایک ہی وقت میں نماز تراویح ادا کریں گے۔ اس سے جہاں ذوق عبادت بڑھے گا' اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ ہو گا' وہاں باہمی یگانگت اور محبت واخوت میں بھی اضافہ ہو گا۔

۴۔ اختتام رمضان پر صدقہ فطر کی ادائیگی سے بے شمار غریبوں' اور حاجت مندوں کی مالی مدد ہو گی۔

رمضان اور نزول قرآن حکیم

فرضیت صیام کے علاوہ ماہ رمضان کو ایک اور وجہ سے بھی فضیلت حاصل ہے اور وہ یہ کہ اس میں نزول قرآن نے رات بھی ہے' جسے قرآن "لیلتہ القدر" سے تعبیر کرتا ہے' اس رات کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ برکت والی رات کہا گیا ہے۔

قرآن کریم نے ان الفاظ میں اس رات کا ذکر کیا ہے

انا انزلنه فی لیلة القدر ○ وما ادرٰنک ما لیلة القدر ○ لیلة القدر خیر من الف شهر ○ تنزل الملٰئکة والروح فیها ○ باذن ربهم من کل امر سلام ○ هی حتی مطلع الفجر ○ (۹۷/۱-۵)

(ہم نے قرآن کو نازل کیا لیلتہ القدر میں' اور تجھے کیا معلوم لیلتہ القدر کیا

Marfat.com

ہے "لیلتہ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے' جس میں فرشتے اور روح اللہ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ اس رات میں طلوع صبح تک سلامتی ہے۔)

متفرق مسائل

مریض کا روزہ: اللہ تعالیٰ نے مریض کو یہ سہولت عطا کی ہے کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھے' افطار کر لے اور اس افطار کی قضاء رمضان کے بعد جب سہولت ہو اس وقت کر لے۔ مریض کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ مریض سے وہ شخص مراد ہے جو فی الحال کسی مرض میں مبتلا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر روزہ رکھے گا تو مرض میں اضافہ ہو گا یا جلد صحت یابی مشکل ہو جائے گی۔ یا مریض سے وہ شخص مراد ہے جو بظاہر تندرست ہے لیکن کسی وجہ سے اتنا کمزور ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ اگر روزہ رکھے گا تو بیمار ہو جائے گا۔ (۲۳)

جو روزے قضا ہوئے ہوں انہیں رمضان کے بعد مسلسل رکھنا ضروری نہیں مثلاً اگر دس روزے قضا ہوئے ہیں تو وہ دو تین مرحلوں میں تقسیم کر کے رکھے جا سکتے ہیں۔

مسافر کا روزہ: اگر کسی کو رمضان میں سفر پیش آ جائے تو وہ روزہ افطار کر سکتا ہے۔ سفر کی مسافت وہی معتبر ہے جو نماز کے بارے میں ہے یعنی حنفی فقہاء کے نزدیک اڑتالیس میل۔ سفر خواہ تکلیف دہ ہو یا آرام دہ۔ دونوں برابر ہیں۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر سفر آرام دہ ہو تو روزہ افطار کرنا جائز نہیں۔ البتہ قرآن حکیم میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر کسی میں دوران سفر روزہ رکھنے کی ہمت ہے تو وہ رکھ لے زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ (۲۴)

حاملہ عورت کا روزہ: حاملہ عورت کو یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے کے سبب اس کی اپنی صحت متاثر ہو گی یا بچے پر اس کا برا اثر پڑے گا

Marfat.com

تو اس کے لئے افطار جائز ہے۔ ایسے روزوں کے بعد میں قضا لازم ہو گی۔ (۲۵)

جنگی مہم میں فوجیوں کے لئے روزہ

جنگ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ فوجی اپنے شہروں اور چھاؤنیوں سے دور جا کر جنگ کر رہے ہیں اور محاذ جنگ شہروں سے اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہ شرعی نقطہ نظر سے مسافر کہلائیں۔ ان حالات میں تمام فقہاء کے نزدیک روزہ چھوڑا جا سکتا ہے۔ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جنگ اپنے شہر اور چھاؤنی کے گردونواح میں ہو رہی ہو' اور مجاہدین پر مسافر ہونے کا اطلاق نہ کیا جاسکتا ہو۔ بلکہ وہ مقیم کے حکم میں ہوں تو بعض فقہاء اس صورت میں افطار کی اجازت نہیں دیتے مگر ابن تیمیہ نےاس پر مفصل بحث کی ہے اور دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ فوجی اگر کسی جنگی مہم میں مصروف ہوں تو مقیم ہونے کے باوجود ان کے لئے روزہ چھوڑ دینا جائز ہے (۲۶)

مجنون کا روزہ: اگر ایک شخص مستقل طور پر مجنون ہے تو اس پر روزہ فرض نہیں ہے۔ اگر ایک شخص مستقل طور پر مجنون نہیں ہے مگر رمضان کے پورے مہینے اس پر جنون کی کیفیت طاری رہی۔ کسی دن بھی افاقہ نہیں ہوا بعد میں اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو حنفی فقہاء کے نزدیک اس پر اس رمضان کے روزوں کی قضاء واجب نہیں ہے۔ (۲۷)

بچہ دوران رمضان بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لے آئے: اگر بچہ رمضان کے دوران بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لے آئے تو رمضان کے جو دن باقی رہ گئے ہیں' ان کے روزے رکھے۔ بچے کے بالغ ہونے سے اور کافر کے مسلمان ہونے سے پہلے رمضان کے جو دن گزر چکے ہیں ان کی قضاء واجب نہیں ہے۔

شیخ فانی کا روزہ: ایسا عمر رسیدہ اور ضعیف شخص جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ افطار کرے (روزہ نہ رکھے) اور ہر روزے کے بدلے آدھا صاع گندم کسی ضرورت مند کو دے دے۔ اس پر ان فوت شدہ روزوں کی قضا نہیں ہے۔ (۲۸)

Marfat.com

(ایک صاع کے وزن کا اندازہ تین کلو دو سو گرام لگایا گیا ہے۔ آدھے صاع کا مطلب یہ ہوا کہ ایک کلو' چھ سو گرام)

Marfat.com

باب : ۳

ارکان اسلام

۱۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم (کتاب الایمان)۔

۲۔ القرآن : ۳۰ (الروم)' ۳۱۔

۳۔ صحیح بخاری' امام بخاری نے اس حدیث سے اپنی کتاب کی ابتداء کی ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔

۴۔ القرآن: ۲۹ (العنکبوت)' ۴۵۔

۵۔ القرآن : ۲۵ (النور)' ۳۷۔

۶۔ کنزل العمال' بحوالہ فضائل نماز (مولانا محمد زکریا کاندھلوی) ص:۲۰

۷۔ ایضاً" احادیث کے مختلف مجموعوں میں یہ حدیث مذکور ہے۔

۸۔ صحیح بخاری۔ کتاب الصلوۃ (ابواب الوضوء)

۹۔ سنن ابن ماجہ۔ (باب التطوع فی السفر)۔

۱۰۔ تاج العروس۔ بحوالہ مادہ "زکا"۔ مرتضیٰ حسین واسطی زبیدی۔

۱۱۔ المغنی۔ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ' جلد:۲' ص: ۵۷۳

۱۲۔ ایضاً"

۱۳۔ صحیح بخاری۔ (کتاب الایمان)

۱۴۔ زکوۃ واجب ہونے کی شرائط' اس کی تفصیل ہدایہ جلد اول' ص:۱۸۵' ۱۸۶ پر اور فتاوی عالم گیری جلد اورل' ص:۱۷۲ تا ۱۷۴ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ ان دونوں کتابوں کے اردو تراجم بھی موجود ہیں۔

۱۵۔ القرآن : ۲ (البقرہ) ۲۶۱' ۲۶۲

۱۶۔ القرآن : ۹ (التوبہ)' ۶۰

۱۷۔ حج کے موضوع پر مختلف کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

Marfat.com

۱۸۔ القرآن : ۲ (البقرہ) ' ۱۸۳۔

۱۹۔ السنن الکبریٰ (بیہقی)' ماثبت بالسنۃ (عبدالحق محدث دہلوی)
الترغیب والترہیب۔
فضائل رمضان کی مذکورہ بالا حدیثیں' احادیث کے مختلف مجموعوں میں مذکور ہیں۔

۲۰۔ ماثبت بالسنۃ' فضائل رمضان (مولانا محمد زکریا کاندھلوی) ص : ۱۵

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ القرآن : ۹۷ (القدر (۱۔۵

۲۳۔ احکام القرآن (ابوبکر جصاص)۔ جلد :۱' ص :۱۷۴

۲۴۔ ایضاً جلد :۱ ' ص :۱۷۰

۲۵۔ الجامع لاحکام القرآن (قرطبی)' جلد : ۲' ۲۷۶

۲۶۔ معالم القرآن (مولانا محمد علی الصدیقی)۔ جلد : ۲' ص:۳۳۹

۲۷۔ احکام القرآن (جصاص) ۔ جلد:۱ ' ص:۱۸۵۔

۲۸۔ ایضاً

Marfat.com

Marfat.com

باب : ۴

اخلاقِ حسنہ

Marfat.com

Marfat.com

باب : ۴

اخلاق حسنہ

عقائد اور عبادات کے بعد تعلیمات نبوی کا تیسرا اہم باب اخلاق ہے۔ اخلاق سے مقصود یہ ہے کہ بندوں کے درمیان جو تعلقات ہیں' اور ایک کا دوسرے پر جو فرض اور حق ہے' اور جن کی ادائیگی کو اسلام ضروری قرار دیتا ہے' اس فرض اور حق کو خوبی کے ساتھ انجام دینے اور ادا کرنے کا نام اخلاق ہے۔ ہر شخص کے اپنے ماں باپ' عزیز و اقارب' دوست احباب' اور ہمسائے' سب سے تعلقات ہیں۔ بلکہ ہر اس شخص کے ساتھ ایک گونہ تعلق ہے جس سے محلہ' شہر' وطن اور قومیت کا علاقہ ہے اور ان تعلقات کے سبب ہر ایک پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔

اگر غور کریں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ دنیا کی تمام تر خوش حالی' آسودگی' اور امن و امان صرف اخلاق کی وجہ سے ہے۔ اخلاق کی کمی کو اگرچہ حکومت' اور جماعت اپنے قانون کی قوت سے پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس کے باوجود معاشرے میں حقیقی امن' محبت و اخوت اور باہمی ہمدردی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک افراد میں اخلاق کی قوت نہ ہو۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاقی فرائض کو پورا کرنے میں کوتاہی نہ کریں تو اصلاح معاشرہ کے لئے کسی جبری قانون کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔

کم و بیش دنیا کے سارے مذہبوں نے یہی کوشش کی ہے' مگر اسلام نے اپنی دوسری تعلیمات کی طرح اخلاقی تعلیمات کے میدان میں بھی سب سے زیادہ موثر' جامع اور بھرپور کوشش کی ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں پر اس حد تک اخلاقی دباؤ قائم کیا ہے کہ ان کے قدم کسی مرحلے پر بھی سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ پائیں۔ بلاشبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں تکمیلی

Marfat.com

حیثیت رکھتی ہے۔

اخلاق کی اس امتیازی حیثیت کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ اصولی بات سمجھنا ضروری ہے کہ بندے کے جن اعمال سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور جن پر بندہ کو اجر و ثواب ملنے والا ہے' وہ چار قسم کے ہیں۔

ایک وہ اعمال جن کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے معبود ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی زندگی اور اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے۔ یہ شان عبادت کی ہے' گویا بندہ اپنی عبدیت کا اظہار عبادات ہی کے ذریعہ کرتا ہے۔

دوسری قسم وہ اعمال ہیں جن کو بندہ اپنی دنیوی ضرورت اور نفس کی خواہش سے کرنے پر مجبور ہے' لیکن جب بندہ ان کو اللہ کی ہدایت اور اللہ کے احکام کی پابندی کے ساتھ کرتا ہے' تو ان پر بھی وہ اللہ کی رضا کا اور اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے مثلاً روزی کمانے کے لئے کھیتی باڑی یا تجارت یا مزدوری کرنا بندے کی اپنی ضرورت ہے۔ اسی طرح نکاح کرنا اور بچوں کو پالنا اپنی ضرورت اور نفس کی خواہش ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے بارے میں کچھ احکام دے دیئے ہیں کہ اگر ان کی پابندی کے ساتھ یہ کام کئے جائیں تو بندہ ان کاموں پر بھی اسی طرح اللہ کی رضا کا اور آخرت کے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے جس طرح کہ عبادات پر ہوتا ہے۔ یہ شان معاملات اور معاشرت کی ہے۔

تیسری قسم وہ اعمال ہیں جو دراصل انبیاء علیہم السلام کے ہیں' اور دوسرے لوگ ان کو ان کے نائب ہونے' اور انہی کے مشن کی خدمت کے طور پر کرتے ہیں۔ جیسے کہ دینی دعوت' دین کی نصرت' دین کے راستے میں جدوجہد اور قربانی' دین کی تعلیم اور تبلیغ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ یہ سب اعمال بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے ہیں اور بلا شبہ ان میں بہت بڑا اجر و ثواب ہے' اور ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی نیابت والے اعمال ہیں' اور ان اعمال کے کرنے والوں کو انبیاء علیہم السلام سے ایک خاص نسبت ہوتی ہے' جو دوسرے اعمال سے حاصل نہیں کی

Marfat.com

جاسکتی۔

اور چوتھی قسم وہ اعمال ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی خلافت اور نیابت کا رنگ ہے۔ یہ شان اخلاق کی ہے۔۔ مثلاً رحم ایک خلق ہے جو دراصل اللہ تعالیٰ میں ہے' اور وہ اس کی وجہ سے رحمن اور رحیم ہے' پھر بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اپنے اندر بھی رحم کی صفت پیدا کریں' اور ہر قابل رحم مخلوق کے ساتھ رحم کے معاملہ کریں۔

اس طرح خطا اور قصور معاف کرنا' اور دوسروں کے عیب چھپانا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور بندوں کو بھی حکم ہے کہ وہ بھی اپنے اندر یہ صفت پیدا کریں۔

اسی طرح حیا اور حلم اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں' اور بندوں کو بھی حکم ہے کہ وہ بھی ان کو اختیار کریں۔

ایسے ہی جود و کرم' سخاوت' حاجت مندوں کی مدد کرنا' عدل و انصاف کرنا' یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں' اور بندوں کو بھی حکم ہے کہ ان کا حال بھی یہی ہو۔

اخلاق بھی ایک گونہ اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے۔ الغرض بندے کے تمام اعمال و احوال میں صرف اخلاق کی یہ شان ہے کہ بندہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کرتا ہے' یعنی وہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ خود کرتے ہیں' یہ شان کسی دوسرے عمل کی نہیں ہے۔ اس لئے اس پہلو سے اخلاق کو بندے کے دوسرے تمام اعمال کے معاملہ میں امتیاز اور برتری حاصل ہے۔

جب آپ نے شعبہ اخلاق کے اس امتیاز کو سمجھ لیا تو آپ اخلاق کی اہمیت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں سنئے ۔۔ ارشاد فرمایا:

بعثت لاتمم حسن الخلاق (۱)

(اللہ نے مجھے اس لئے نبی بنا کر بھیجا کہ میں اخلاقی خوبیوں کو درجہ کمال تک پہنچا دوں)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

Marfat.com

"اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا (۲)(ایمان میں سب سے زیادہ کامل وہ مومنین ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں)۔

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

"ان اثقل شی ء یوضع فی میزان المومن یوم القیمة خلق حسن (۳) (قیامت کے دن مومن کی میزان اعمال میں سب سے زیادہ وزن دار چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کا اچھا اخلاق ہو گا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دین میں اخلاق کے شعبہ کی کتنی اہمیت ہے' اور اس کا کیا درجہ اور مقام ہے' لیکن ہم مسلمانوں میں جو کچھ دیندار بھی ہیں ان میں سے بھی اکثر کا اب حال یہ ہے کہ وہ شعبہ عبادات کی اہمیت تو کسی درجہ میں محسوس کرتے ہیں مگر اخلاق اور اسی طرح معاملات اور معاشرت کے متعلق جو احکام ہیں ان کی اہمیت کو وہ محسوس نہیں کرتے' بہت سے لوگ تو کچھ ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا ان احکام کی پابندی بڑا بزرگ اور باکمال بننے کے لئے ضروری ہے اور نجات کے لئے بس نماز روزہ کافی ہے۔ حالانکہ دوزخ سے اور اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے جس طرح نماز روزہ ضروری ہے اسی طرح برے اخلاق کا چھوڑنا اور اچھے اخلاق کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

قرآن و حدیث میں جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات کی تاکید فرمائی گئی ہے' اسی طرح اخلاق حسنہ کی بھی تاکید فرمائی گئی ہے اور جس طرح عبادات کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے اسی طرح بہت سے برے اخلاق پر بھی جہنم کی اور عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

مثلاً بخل (یعنی مال کی ایسی محبت اور اس سے ایسی وابستگی جو خرچ کے موقعوں پر خرچ کرنے میں رکاوٹ بنے) ایک اخلاقی مرض ہے' اس کے متعلق ارشاد ہے۔

"ولا تحسبن الذین تبخلون بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ ھو خیر لھم بل ھو شر لھم سیطو قون ما بخلوابہ یوم القیمہ (۴)

Marfat.com

(اللہ نے جن کو دولت دی ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں اور جہاں ان کو خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ نہیں کرتے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ان کے حق میں کوئی اچھی چیز ہے' بلکہ وہ ان کے حق میں شر ہے۔ قیامت کے دن یہی دولت جس کے خرچ کرنے میں وہ بخل کرتے ہیں ان کے گلے کا طوق بنائی جائے گی۔)

اس آیت میں بخل پر (جو صرف ایک اخلاقی رذیلہ ہے) کتنی بڑی وعید سنائی گئی ہے۔

اسی طرح سورہ ہمزہ میں ایسے لوگوں کو جن میں مال کی گہری محبت' اور دوسروں پر طعنہ زنی اور عیب جوئی کی بری عادتیں ہوں' دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

" ویل لکل همزه لمزة الذی جمع مالا وعدده یحسب ان ماله اخلده کلا لینبذن فی الحطمة (۵)

(ان لوگوں کے لئے انجام کی بڑی خرابی ہے جن کا حال یہ ہے کہ دوسروں کو رو در رو طعنے دیتے ہیں اور پیٹھ پیچھے لوگوں کے عیوب اور ان کی برائیاں بیان کرتے ہیں' اور انھیں مال و دولت سے ایسی گہری محبت ہے کہ وہ اس کو جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اور گناہ کرتے ہیں گویا کہ ان کا یہ مال ہمیشہ باقی رہے گا' یہ لوگ ضرور بالضرور دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔)

اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ تمسخر نہ کرے (اس کا مذاق نہ اڑائے) ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو عیب لگاؤ اور نہ چڑانے کے لئے برے نام ڈالو۔ ایک مومن کو برے نام سے پکارنا گناہ کی بات ہے اور جو توبہ نہ کرے وہ زیادتی کرنے والوں میں ہے۔

اے ایمان والو! کسی کے بارے میں برے گمان کرنے سے بچتے رہو۔ کیوں کہ

Marfat.com

بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ کسی کے رازوں کو مت ٹٹولو' اور نہ ایک دوسرے کو اس کے پیٹھ پیچھے برا کہو۔ کیا تم میں سے کسی کو یہ اچھا لگتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے حالاں کہ تمہیں اس سے گھن آتی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا ہے' مہربان ہے۔ (٦)

الغرض ان آیتوں میں جن باتوں پر دوزخ کی اور عذاب کی وعید ہے وہ صرف اخلاقی برائیاں ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض برے اخلاق کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ یہ دوزخ میں لے جانے والے اور جنت سے محروم کرنے والے ہیں ۔۔ مثلاً کبر کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

"لایدخل الجنة من فی قلبه مثقال ذرة من کبر" (٧)

(جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جا سکے گا)۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"لایدخل الجنة قتات" (٨)

(دوسروں کی عیب جوئی کرنے والا اور ان کے راز معلوم کر کے ان کو پھیلانے والا جنت میں نہ جا سکے گا)۔

اسی طرح ایک حدیث ہے:

"تجدون شر الناس یوم القیٰمة ذا الوجهین یاتی هولاء بوجه وهولاء بوجه" (٩)

(یعنی قیامت میں سب سے برے حال میں وہ دو رخا آدمی ہو گا جو ایک گروہ سے ایک رخ سے ملے اور دوسرے گروہ سے دوسرے رخ سے' مطلب یہ ہے کہ اس سے ان کی سی بات کہے اور ان سے ان کی سی)۔

ایک اور حدیث ہے:

"لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس" (١٠)

Marfat.com

(اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرے گا جو اس کے بندوں کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرتا۔)

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اطلاع دی ہے کہ:

"ایک عورت صرف اپنی اس بے رحمانہ حرکت کی وجہ سے دوزخ میں جائے گی کہ اس نے ایک بلی کو بند کر رکھا تھا اور اسے کھانے کے لئے کچھ نہیں دیا، یہاں تک کہ وہ بلی بھوکی مر گئی۔

خاص رحمت کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

" الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (۱۱)

(یعنی رحم کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہو گی، تم زمین پر بسنے والی مخلوق پر رحم کرو، آسمان والا خالق تم پر رحمت کرے گا۔)

ایک حدیث میں ہے، حضور نے اس واقعہ کی اطلاع دی کہ

" ایک عورت اس عمل پر بخشی گئی کہ پیاس سے تڑپنے والے ایک کتے کو دیکھ کر اس کا دل دکھا اور اس نے بڑی محنت سے کنوئیں سے پانی نکال کر اس کو پلایا اور اس کی جان بچائی۔ (۱۲)

اور جس طرح مندرجہ بالا حدیثوں میں بعض برے اخلاق کے متعلق عذاب کی اور دوزخ کی وعیدیں ہیں، اسی طرح بعض برے اخلاق کے متعلق حدیثوں میں آتا ہے کہ جس میں یہ باتیں ہوں وہ مومن نہیں ہے۔۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا:

" والذی نفسی بیدہ لا یومن عبد حتی تحب لا خیہ ما یحب لنفسہ" (۱۳)

(قسم اس اللہ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کا یہ حال نہ ہو کہ وہ اپنے ہر

Marfat.com

بھائی کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے)۔ یعنی اگر یہ بات نہیں ہے تو وہ پورا مومن اور اچھا مسلمان نہیں ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے ۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار قسم کھا کر ارشاد فرمایا

" واللہ لایومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل من یا رسول اللہ؟ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ " (۱۴)

(خدا کی قسم وہ مومن نہیں' خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں' خدا کی قسم اس کو ایمان نصیب نہیں۔ عرض کیا گیا: حضرت کون؟ ارشاد فرمایا: وہ بدبخت جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی امن میں نہیں)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا:

" لیس المومن الذی یشبع و جارہ جائع الی جنبہ " (۱۵)

(یعنی وہ بیدرد اور بے رحم مومن نہیں جس کا حال یہ ہے کہ وہ اطمینان سے پیٹ بھر کے کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی فاقہ سے رہے۔)

غور کیجئے ان سب حدیثوں میں جن برائیوں پر دوزخ کی اور عذاب کی وعید سنائی گئی ہے' اور جنت سے یا ایمان سے محرومی کا اعلان فرمایا گیا ہے وہ سب اخلاق کے سلسلے کی چیزیں ہیں۔ ان حدیثوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ دین میں اخلاق کی کتنی اہمیت ہے۔

بہرحال اخلاق کی اصلاح کا معاملہ صرف تکمیلی چیز نہیں ہے کہ صرف بزرگ اور کامل بننے کے لئے اس کی ضرورت ہو' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے اور دوزخ سے بچنے کے لئے جس طرح نماز روزہ ضروری ہے اسی طرح برے اخلاق سے بچنا اور اچھے اخلاق کا اختیار کرنا ضروری ہے خصوصاً وہ اخلاق جن کی حدیث و قرآن میں سختی کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً صبر' توکل' سچائی' امانت داری' عہد کی پابندی' اخلاص' اللہ و رسول کی سچی اور کامل محبت' دوسرے کی خیر خواہی' دوسروں کی

Marfat.com

پردہ پوشی، رحم، عفو و درگزر، غصہ کا پی جانا، سخاوت، عدل و انصاف، تواضع اور خاکساری، اللہ کے لئے لوگوں سے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی۔ ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش نہایت ضروری ہے، اسی طرح ان کے اندر جو برے اخلاق ہیں جن کو رذائل کہا جاتا ہے، ان سے بھی اپنے آپ کو پاک صاف کرنا بہت ضروری ہے۔

Marfat.com

باب : ۴

اخلاق حسنہ

۱۔ امام مالک بن انس، الموطا، باب حسن الخلق۔

۲۔ اس روایت کو امام ابوداؤد نے اور امام دارمی نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

۳۔ ایضاً۔ نیز جامع ترمذی۔

۴۔ القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۸۰۔

۵۔ القرآن: ۱۰۴ (ہمزہ)، ۱۔۴۔

۶۔ القرآن: ۴۹ (حجرات)، ۱۱۔۱۲۔

۷۔ صحیح مسلم۔

۸۔ صحیح بخاری۔

۹۔ ایضاً۔ نیز صحیح مسلم۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ سنن ابی داوٗد۔

۱۲۔ مشکوۃ المصابیح۔

۱۲۔ مشکوۃ المصابیح۔

۱۳۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

۱۴۔ صحیح مسلم۔

۱۵۔ مشکوۃ المصابیح۔

مزید مطالعہ کے لئے

۱۔ سیرۃ النبیؐ (سید سلیمان ندوی)، جلد: ۶

۲۔ اسلام کا فلسفہ اخلاق، (حفظ الرحمن سید ہاروی)

۳۔ دین و شریعت (منظور نعمانی)

Marfat.com

باب : ۵

صفاتِ مومنین

Marfat.com

Marfat.com

باب: ۵

صفات مومنین

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایمان چند حقائق کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ یہ دونوں چیزیں براہ راست انسان کی فکر میں تبدیلی کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اور اس تبدیلی کی انتہا عمل پر ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک مؤمن کی حیثیت سے ہمارے عقیدے اور صفات کا اظہار عمل کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور یہی اعمال ہماری پہچان' اور شناخت ہوتے ہیں۔

دنیا کی ہر قوم' اور ہر وہ جماعت جو کوئی خاص عقیدہ اور نظریہ رکھتی ہے' اس کے ماننے والے افراد کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں' وہ بعض منفرد صفات کے حامل ہوتے ہیں' جن سے وہ کسی نشان وہی کے بغیر بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسلام بھی اپنے ماننے والوں کی کچھ ممتاز اور منفرد صفات اور خصوصیات بیان کرتا ہے۔ بلکہ دوسری تمام قوموں' اور جماعتوں سے زیادہ وہ اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس کے ماننے والے نہ صرف منفرد صفات کے بلکہ ایسی صفات کے حامل ہوں جو ہر انسانی معاشرے میں اعلیٰ اور قابل قدر سمجھی جاتی ہوں' اور جن کے حامل افراد کا معاشرہ بہترین' مثالی' اور قابل رشک معاشرہ تصور کیا جاتا ہو۔

فخر موجودات سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے پوچھا۔ یا رسول اللہ: "سب سے اچھا مؤمن کون سا ہے"؟ تو آپؐ نے فرمایا: سب سے بہتر اور کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہیں"۔ (۱)

اسلام کے علاوہ دوسرے اکثر مذاہب میں یہ جاہلانہ تصور پایا جاتا ہے کہ آدمی کو اللہ سے اپنا تعلق ظاہر کرنے کے لئے اپنی روش عام لوگوں سے مختلف رکھنی چاہیے۔

Marfat.com

اسی بناء پر مذہبی لوگ اپنے لباس' چال ڈھال' طرز بودو باش' اور لوگوں سے میل جول کے طریقے میں امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتے ہیں' اور اپنے آپ کو کافی حد تک عام معاشرتی زندگی سے الگ تھلگ کر لیتے ہیں' اور اسی کو وہ اپنی پہچان سمجھتے ہیں۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمانوں میں بھی یہ تصور پیدا ہو گیا ہے' جو افراد یا طبقہ اپنے آپ کو دین دار سمجھتا ہے' یا دین کے نمائندے کے طور پر پیش کرتا ہے' انہوں نے اپنے لئے ایک خاص ہیئت مخصوص کر لی ہے' لباس بھی عام لوگوں سے مختلف' رہن سہن اور ملنے جلنے کے طریقے بھی الگ' اور عام لوگوں کا بھی یہ ذہن بن گیا کہ ایک خاص شکل و صورت اور طور طریقے رکھنے والے افراد ہی دین دار ہو سکتے ہیں اور وہی دینی علوم کے ماہر بھی ہو سکتے ہیں۔

اسلام اس قسم کے سطحی اور غیر عقلی تصور کو تسلیم نہیں کرتا' اس کے نزدیک دین دار وہ ہے جو ان صفات کا حامل ہے جن کی تفصیل قرآن حکیم اور سنت رسول بیان کرتی ہے۔ اگر کسی میں وہ صفات نہیں ہیں جن کی نشان دہی قرآن اور حامل قرآن (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوری وضاحت کے ساتھ کی ہے' تو ایسا شخص کوئی بھی لباس پہن لے' کیسا ہی بھیس بدل لے' کیسی ہی شکل بنا لے اور جیسی چاہے بودو باش اختیار کرے' وہ دین دار نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح عالم دین ہونے کا معاملہ ہے۔ جب تک ایک شخص کی قرآن و حدیث پر گہری نظر نہیں' علوم قرآنی' علوم حدیث' اور سیرت رسول کا وسیع مطالعہ نہیں' اسے عالم دین نہیں کہا جا سکتا۔ لباس اور حلیے سے نہ علم کا کوئی تعلق ہے' اور نہ دین داری کا۔

اس کے علاوہ ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بہت سے مسلمانوں میں' اور بطور خاص برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو شخص زیادہ نمازی ہے' زیادہ روزہ دار ہے' زیادہ حج کرتا ہے' وہ زیادہ دین دار ہے۔ یہ تصور بھی قرآن اور حامل قرآن کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ قرآن نے یا

Marfat.com

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر بھی یہ نہیں کہا کہ: تم میں جو سب سے زیادہ نمازیں پڑھتا ہے وہ سب سے بہتر مسلمان ہے۔ یا سب سے زیادہ روزے رکھنے والا سب سے اچھا مسلمان ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا تو آپ کو ایک گونہ گھبراہٹ ہوئی' آپ گھر تشریف لائے اور ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کیا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے" حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: " آپ کو بشارت ہو۔ آپ ہرگز نہ ڈریئے۔ آپ لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں' یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتے ہیں' قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں' مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں' لوگوں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں' حق کے اور نیکی کے کاموں میں لوگوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں' ہمیشہ سچ بولتے ہیں' ہم نے آپ کو کبھی ناشائستہ کام کرتے نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم' اللہ آپ کو شرمندہ اور رسوا نہ کرے گا"

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ تو بہت نمازیں پڑھتے ہیں' اللہ کی عبادت و ریاضت میں لگے رہتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' حقوق اللہ میں سے کسی حق کا ذکر نہیں کیا۔ بندوں کے حقوق ذکر کئے جن کی بہتر طریقہ سے ادائیگی کا نام محاسن اخلاق ہے۔ (۲)

نماز' روزہ' حج اور زکوۃ' بے شک اسلام کے ارکان ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے ان ارکان سے کیا مقاصد وابستہ کئے ہیں۔ اور کن مقاصد کی نشان دہی کی ہے؟ ان چاروں ارکان سے ایک ہی مقصد ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کے اخلاق حسنہ کی تربیت اور تکمیل ہو۔ اور انسان ان صفات کا حامل بنے جن کے مظہر و پیکر کو قرآن متقی کہتا ہے' اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ ایسا ہی شخص اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہے۔ بے سمجھ واعظوں نے لوگوں کو یہ باور کرا دیا کہ نماز پڑھنے' اور روزہ رکھنے کے بعد انسان ان تمام ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا ہے جو قرآن' مؤمن پر عائد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن' نماز' روزے اور حج کی ادائیگی

Marfat.com

کو الگ سے بیان نہیں کرتا۔ جہاں نماز ادا کرنا مؤمن کی صفت کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے وہیں یہ بات بھی اسی درجہ کی صفت کے طور پر کہی جا رہی ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہو' جن لوگوں کے اس پر حقوق ہیں انہیں ٹھیک طریقے سے ادا کرتا ہو' امین ہو' عہد و میثاق کو پورا کرنے والا ہو' فضول اور بے ہودہ باتوں سے بچنے والا ہو' یتیموں اور مسکینوں کی مدد کرنے والا ہو' مغرور اور متکبر نہ ہو وغیرہ' وغیرہ۔

اگلے صفحات میں اجمالی طور پر انہی صفات کو بیان کیا جا رہا ہے جو مرد مؤمن میں قرآن' اور حامل قرآن کو مطلوب ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اسی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیں۔

اسلام نے اپنی مطلوبہ صفات کے حامل افراد کا ایک معاشرہ قائم کر کے دکھایا' اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ایک کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

۱: الذین یومنون بالغیب و یقیمون الصلوۃ و مما رزقناھم ینفقون (۳) اللہ سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں جو بے دیکھی چیزوں پر یقین رکھتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اور اللہ نے ان کو جو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی تین صفتیں بیان کیں۔ ۱۔ غیب پر ایمان لانا' ۲۔ نماز قائم کرنا ۳۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے دوسرے لوگوں پر اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنا۔ جسے قرآن انفاق فی سبیل اللہ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تعبیر کرتا ہے۔ ایمان کی اہمیت تو سب کو معلوم ہے' وہی سارے اصول کی جڑ ہے' اور تمام اعمال کی قبولیت کا دارو مدار اسی پر ہے۔ ایمان کے ساتھ جب اعمال کا ذکر کیا جائے تو ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ لیکن صرف دو اعمال کا ذکر کیا۔ نماز' اور انفاق فی سبیل اللہ۔ اس میں بظاہر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان پر جتنے اعمال فرض یا واجب ہیں' ان کا تعلق انسان کی ذات اور جسم سے ہے' یا اس کے مال سے۔ ذاتی اور بدنی عبادات میں سب سے اہم نماز ہے' اور مالی

Marfat.com

عبادات سب کی سب انفاق میں سمٹ آئی ہیں۔ اس لئے حقیقت میں یہ صرف دو اعمال کا ذکر نہیں' بلکہ اصولی اور اجمالی طور پر تمام اعمال کا ذکر ہے۔ آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ متقی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان بھی کامل' اور عمل بھی کامل' اور ایمان اور عمل کے مجموعے کا نام ہی اسلام ہے۔

۲: والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک' و بالاخرۃ ہم یوقنون (۴)

(اور یہ متقی ایسے ہیں جو اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپؐ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری گئی' اور ان کتابوں پر بھی جو آپؐ سے پہلے اتاری گئیں۔ اور یہ لوگ آخرت پر بھی پختہ یقین رکھتے ہیں)

مومنین و متقین کی صفات میں اس سے پہلے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲ پیش کی گئی تھی' یہ اس سے اگلی آیت ہے۔ یعنی نمبر ۳' اس میں ایمان بالغیب کی قدرے وضاحت کی کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہوں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ یعنی قرآن حکیم' اور ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہوں جو آپ سے پہلے پیغمبروں پر نازل کی گئیں۔

اس آیت کے اسلوب سے ایک بنیادی مسئلے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا اور وہ یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔ کیوں کہ یہ بات کہی گئی کہ آپ سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ نہیں کہا گیا کہ آپ کے بعد نازل ہونے والی کتابوں پر بھی ایمان لائے۔ حالاں کہ آپ کے بعد اگر کوئی نبی آنے والا ہوتا۔ اور کسی آسمانی کتاب کا نزول ہوتا تو اس پر ایمان لانے کی بات زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ کی جاتی۔ صرف یہیں نہیں' یہ مضمون قرآن حکیم میں کم و بیش پچاس مختلف مقامات پر آیا ہے۔ سب جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء' پہلی وحی' اور پہلی کتابوں کا ذکر ہے۔ کسی ایک جگہ بھی بعد میں آنے والی کسی کتاب یا رسول کا ذکر نہیں۔

دوسری صفت یہ بیان کی کہ آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ آخرت پر ایمان لانا

Marfat.com

اگرچہ ایمان بالغیب میں شامل ہے۔ مگر اس کو صراحت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ یہ اجزائے ایمان میں اس حیثیت سے سب سے اہم جزو ہے کہ ایمان کے تقاضوں پر عمل کا جذبہ اور تحریک اسی عقیدے کی بنا پر ہوتی ہے۔

اسلامی عقائد میں یہی وہ انقلابی عقیدہ ہے جس نے مسلمانوں کو اخلاق کے ان بلند رتبوں پر فائز کیا جہاں دوسرے عقیدے اور نظریئے رکھنے والے نہ پہنچ سکے۔ اس عقیدے نے مسلمانوں کو صرف اخلاق و اعمال ہی میں نہیں' سیاست میں بھی دوسری اقوام عالم کے بالمقابل امتیازی مقام عطا کیا۔ اس عقیدے کی بنیاد پر جو معاشرہ وجود میں آیا اسے دیکھ کر لاکھوں بلکہ کروڑوں بندگان خدا اس معاشرے کا رکن بنے۔

جن لوگوں میں یہ صفات ہوں گی' ان کے بارے میں اسی آیت کے آخر میں فرمایا:

اولئک علی ھدی من ربھم و اولئک ھم المفلحون -(۵) کہ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں' اور یہی فوز و فلاح سے ہم کنار ہونے والے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

Marfat.com

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف' بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو' یوم آخرت کو' فرشتوں کو' اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں' اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے' اور اللہ کی محبت میں اپنا پسندیدہ مال رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوال کرنے والوں' اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ نماز قائم کرے' اور زکوۃ ادا کرے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں' تنگی اور مصیبت کے وقت' اور حق و باطل کی جنگ کے وقت صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ' اور یہی پرہیز گار ہیں)۔

اس آیت کو قرآن حکیم کی جامع آیات میں شمار کیا گیا ہے۔ میں نے تمہیدی کلمات میں یہ بات کہی تھی کہ اسلام صرف نماز' روزے' زکوٰۃ اور حج کا نام نہیں۔ جتنی اہمیت ان ارکان کو حاصل ہے۔ یا یوں کہئے کہ حقوق اللہ کو۔ اس سے زیادہ حقوق العباد کو یعنی محاسن اخلاق کو ہے۔

اس آیت میں عقائد' عبادات' معاملات اور اخلاق سب کا ذکر کیا۔ اور سب کو ایک ہی سطح پر رکھا۔

سب سے پہلے من آمن باللہ سے اعتقادات کا ذکر کیا کیوں کہ اصل اور بنیاد اعتقاد ہی ہے۔ اگر اعتقاد اور نظریہ غلط ہے تو اس پر جو اعمال مبنی ہوں گے ان کی حیثیت بھی صفر ہو جاتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے غلط عقیدے اور نظریے کی جڑ کاٹی اور یہ واضح کیا کہ سب سے پہلے عقیدہ درست کرنے کی ضرورت ہے۔ عقیدہ کے ذکر کے بعد اعمال صالحہ کا ذکر کیا' تیسرے نمبر پر ارکان اسلام میں سے دو ارکان کا ذکر کیا۔ نماز اور زکوۃ' ان دو کے ذکر کے بعد پھر اعمال صالحہ کا' اور ان حقوق کا ذکر کیا جن کی حسن و خوبی کے ساتھ ادائیگی کی قرآن اور سنت رسول بار بار تاکید کرتی ہے' اور یہ بات کھول کھول کر بتاتی ہے کہ ان حقوق کو ادا کئے بغیر کوئی مؤمن صحیح معنی میں مومن بن ہی نہیں سکتا۔ اقامتِ صلوۃ اور ایتائے زکوۃ کے بعد پھر حقوق العباد کی

Marfat.com

طرف توجہ دلائی۔ آیت کے آخر میں مؤمن کی ایک باطنی صفت بیان کی۔ یعنی صبر' صبر کے معنی ہیں نفس کو قابو میں رکھنا' اپنے آپ کو برائیوں سے بچانا' اور مصائب و مشکلات میں ثابت قدم رہنا۔ ان صفات کے حامل افراد کے بارے میں قرآن یہ فیصلہ دے رہا ہے کہ یہی لوگ سچے ہیں' اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ یعنی بہترین اخلاق کے مالک۔

۴ : یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و یسارعون فی الخیرات' واولئک من الصالحین (۷) (اہل ایمان دوسرے لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں' اور برے کاموں سے روکتے ہیں' بھلائیوں کی طرف لپکتے ہیں' (اللہ کے نزدیک) یہی بہترین اور شائستہ لوگ ہیں)۔

اسلام نے اہل ایمان کے ہر ہر فرد کی بھی یہ ذمہ داری قرار دی ہے' اور قرآن نے اس کو مومنین کی صفت کے طور پر بھی اور فرض کے طور پر بھی ذکر کیا ہے کہ وہ دوسروں کو اچھائی اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں' نیکیوں پر ابھارتے ہیں' اور برائی سے روکتے ہیں' اور اجتماعی طور پر بھی پوری امت مسلمہ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ وہ نیکیوں کا حکم دیں' اور برائیوں سے روکیں' جیسے کہا گیا: ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر (تم میں ایک ایسی جماعت رہنی چاہیے جو دنیا کو نیکی کا حکم دے' اور برائی سے روکے)۔

مسلمان اگر صاحب اقتدار ہوں' اور ان کی حیثیت حکمران کی ہو تو پھر بھی ان کے لئے یہی حکم ہے۔ ارشاد ہے: الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف و نہوا عن المنکر (۸) (یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں قدرت دیں تو وہ نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ قائم کریں' لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں' اور برے کاموں سے روکیں) ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کی دعوت و تبلیغ' اور امت مسلمہ کے قیام و بقاء کی خشت اول ہے۔ ہر مومن سے یہ

Marfat.com

بات کہی گئی ہے کہ اس کی جتنی قدرت ہے اس کے مطابق وہ یہ فریضہ انجام دے۔ اور کوئی مؤمن' خواہ اس کا حلقۂ اثر کتنا ہی محدود کیوں نہ ہو' اسے اس صفت سے محروم نہیں ہونا چاہئے۔ اس صفت کے بعد صاحبِ ایمان کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ وہ نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف دوڑنے اور لپکنے والا ہو۔ یسارعون کا لفظ لا کر اس طرف اشارہ کیا کہ جس طرح انسان کے مزاج میں یہ بات ہوتی ہے کہ اسے جہاں کہیں بھی اپنے فائدے کا کوئی کام نظر آتا ہے' وہ غیر ارادی طور پر اس کی طرف دوڑتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی اس کی طبیعت کا حصہ بن جانی چاہئے کہ وہ جہاں بھی کوئی نیکی اور بھلائی کا ایسا کام دیکھے جو اللہ کی رضا کا سبب بن سکتا ہو' وہ غیر شعوری طور پر اس کی طرف لپکے' اور اس کی کوشش ہو کہ میں دوسروں سے پہلے یہ کام کرلوں۔

ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ فِى ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ
وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ
ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَـٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟
أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا۟ ٱللَّهَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ
ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۟ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾
أُو۟لَـٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّـٰتٌ تَجْرِى
مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَـٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾

Marfat.com

(جو لوگ اپنا مال
خرچ کرتے ہیں' خواہ وہ خوش حال ہوں یا بدحال' غصے کو پی جانے والے ہیں' دوسرے لوگوں کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں کو بہت پسند کرتا ہے۔

اور وہ لوگ جو کوئی کھلا گناہ کر بیٹھتے ہیں' یا کوئی غلطی کر کے اپنے اوپر ظلم کر لیتے ہیں تو انہیں فوراً اللہ یاد آ جاتا ہے' اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہو۔! اور وہ دیدہ و دانستہ (جان بوجھ کر) اپنے کیے پر اڑے نہیں رہتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ انہیں معاف کر دے گا' اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور یہ نیک کام کرنے والوں کے لئے بہت ہی اچھا بدلہ ہے)۔

مذکورہ بالا آیتوں میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ ان میں انسانی حقوق سے متعلق مؤمنین کی صفات کو پہلے بیان کیا گیا* اور اللہ کے حقوق سے متعلق جو صفات ہیں انہیں بعد میں ذکر کیا گیا۔ اس ترتیب سے اس طرف اشارہ کیا کہ اللہ نے بندوں پر اپنے جو حقوق لازم کیے ہیں' ان سے اللہ کا اپنا کوئی فائدہ وابستہ نہیں ہے' نہ اللہ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ بندے اس کے حقوق ادا کریں۔ اور ان کے ادا نہ کرنے سے اللہ کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ ان کے ادا کرنے سے خود بندوں کا فائدہ ہے۔ اس کی ذات ہر بات سے بے نیاز ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے' اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا اگر اظہار ندامت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرے تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ لیکن انسانوں کے حقوق کا معاملہ بالکل مختلف ہے' ہر انسان اس بات کا محتاج ہے کہ دوسرا انسان اس کے حقوق ادا کرے۔ ایک شخص اگر دوسرے کا حق ادا نہیں کرے گا تو اسے تکلیف بھی ہو گی' اور بہت سی صورتوں میں نقصان بھی۔ اور اللہ کو اپنا حق معاف کرنا جتنا آسان ہے بندوں کو نہیں۔ بندے تو

Marfat.com

معمولی سے معمولی حق بھی معاف نہیں کرتے۔ بلکہ بعض لوگ تو حق سے زیادہ وصول کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اس بناء پر بندوں کے حقوق کو مقدم کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کا حق ادا نہیں کرے گا تو اس سے نہ صرف لوگوں کو تکلیف اور نقصان ہو گا بلکہ معاشرے میں فساد ہو گا' جنگ و جدال کا دروازہ کھل جائے گا' آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اگر معاشرے کے تمام افراد اپنے اندر اخلاق حسنہ پیدا کر لیں۔ ہر شخص ایک دوسرے کا حق پہچانے' اور اس کے مطالبے سے پہلے اس کو ادا کر دے تو دشمن بھی دوست بن جائیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔ اور ایک خوش حال اور مطمئن معاشرہ وجود میں آئے۔

مؤمنین کی ان صفات میں پہلی صفت یہ بیان کی کہ: یہ لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے ایسے عادی ہیں کہ ان پر خواہ فراخی ہو یا تنگی' ہر حال میں اپنی قدرت اور گنجائش کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ زیادہ دیتا ہے تو زیادہ خرچ کرتے ہیں' کم ہوتا ہے تو کم خرچ کرتے ہیں۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ

Marfat.com

فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ﴿٧﴾ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِأَمَٰنَٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رَٰعُونَ ﴿٨﴾ وَٱلَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾

(یقیناً ایمان لانے والوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں' فضول کاموں سے دور رہتے ہیں' زکوۃ کے طریقے پر کاربند ہوتے ہیں' اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک میں ہوں' ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہدو پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں)۔

سورۃ المؤمنون کی ان ابتدائی نو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی چھ صفتیں بیان کیں۔ اور یہ فرمایا کہ جو ان صفات کا حامل ہو گیا' اس نے دنیا اور آخرت کی فوزو فلاح حاصل کر لی۔ ۱: نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ پڑھنا۔ خشوع کے معنی یہ ہیں کہ دل میں پوری طرح سکون ہو' اعضاء میں بھی سکون ہو' انسان حالت نماز میں دل میں بالارادہ غیر اللہ کا تصور نہ لائے اور اپنی توجہ کسی دوسری طرف نہ کرے۔ صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ جس نماز میں خشوع نہیں ہو گا وہ نماز ادا نہیں ہو گی' ایسی نماز کو لوٹانا ضروری ہے۔ لیکن فقہی طور پر ایسی نماز بھی ادا ہو جاتی ہے۔

۲: مؤمن کی دوسری صفت ہے فضول باتوں سے پرہیز کرنا۔ لغوی معنی یہ ہیں کہ ایسی باتیں' یا ایسے کام جن میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ کسی شخص کے اسلام کے اچھا ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ بے مقصد اور بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے''۔

۳: تیسری صفت یہ کہ وہ پابندی سے زکوۃ ادا کرنے والے ہوں' یعنی اگر وہ صاحب

Marfat.com

نصاب ہیں' اور ان پر زکوٰۃ فرض ہے تو وہ پورے اہتمام اور پابندی سے اسے ادا کرتے ہوں۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں نماز کی ادائیگی کا حکم ہے' اس کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی حکم ہے۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اتنی اہمیت ہے کہ خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف جہاد کیا۔

۴ : عصمت و عفت کی حفاظت کو بھی مؤمنین کی صفت قرار دیا ہے۔ عفت اور پاکدامنی ان اخلاقی خوبیوں میں سے ہے جن کا تعلق عزت و آبرو سے ہے۔ اسی لئے

اسلام نے انھیں اخلاقی محاسن میں شمار کیا ہے۔ اور اسے مؤمنین کی بہترین صفت بتایا ہے۔ جن اہل ایمان سے اللہ نے اپنی بخشش اور انعام و اکرام کا وعدہ کیا ہے ان میں وہ بھی ہیں جو عفیف اور پاک دامن ہیں۔

اسلام میں عفت اور پاک بازی کا اتنا رتبہ ہے کہ وہ نبوت و رسالت کا لازمی حصہ ہے۔ نبی' نبی کے سلسلۂ نسب' اور نبی کے اہل بیت کا دامن ہمیشہ ہر قسم کی بے حیائی سے پاک رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم پر یہودیوں نے بہتان باندھا تو قرآن نے اس کی تردید کی اور ان کی عصمت اور پاک دامنی کی گواہی دی۔

۵ : امانتیں ٹھیک طریقے سے ادا کرنا۔ امانت کے مفہوم میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی کسی نے ذمہ داری قبول کی ہو' اور اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا گیا ہو۔ اس کی بہت سی قسمیں اور صورتیں ہیں' اسی لئے آیت میں جمع کا صیغہ لایا گیا "لاماناتہم" تاکہ تمام قسموں کو شامل ہو جائے۔ خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے۔ حقوق اللہ سے متعلق امانات' شرعی فرائض اور واجبات کو ادا کرنا' اور حرام اور مکروہ چیزوں سے پرہیز کرنا ہے۔ حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو

Marfat.com

بہت معروف ہے کہ کسی نے کسی شخص کے پاس اپنا کوئی مالی امانت کے طور پر رکھدیا' یہ اس کی امانت ہے' واپسی تک اس کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں امانت کی تعریف میں آتی ہیں۔ مثلاً کسی نے کسی سے راز کی کوئی بات کہی تو یہ بھی امانت ہے۔ اجازت کے بغیر اس راز کو فاش کرنا امانت میں خیانت ہے۔

ایک مزدور اور ملازم بھی اس کام کا امین ہے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ مقررہ وقت میں اگر وہ کام پورا نہیں کرتا تو وہ بھی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی طرح جتنے وقت کام کرنے کا معاہدہ ہوا ہے' اگر اتنے وقت کام نہیں کرتا تو بھی خیانت کرنے والا ہے۔ کیوں کہ جتنے وقت کا وہ معاوضہ لے رہاہے وہ امانت ہے۔

٦: مؤمنین کی چھٹی صفت عہد پورا کرنا ہے۔ عہد ایک تو وہ معاہدہ ہے جو دو فریق کسی خاص معاملے میں آپس میں طے کریں۔ انسے پورا کرنا فرض ہے' اور باہمی رضامندی کے بغیر اسے توڑنا غدر اور دھوکہ ہے۔

وعدہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یک طرفہ ہو۔ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے کوئی چیز دینے کا وعدہ کیا' یا کسی معین وقت پر آنے کے لئے کہا' اور پھر اس کی پاسداری نہ کی۔ یہ بھی حرام ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ یک طرفہ عہد کو توڑنے کی کوئی قانونی سزا نہیں ہے۔ اور دو طرفہ معاہدے کو توڑنے کی قانونی سزا بھی ہوتی ہے۔

وقت معین کر کے اس پر نہ پہنچنا۔ یہ بیماری ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے۔ کسی کو چھ بجے آنے کا وقت دیا اور سات بجے پہنچے۔ یہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی میں داخل ہے۔ تقریبات میں اس طرح کی وعدہ خلافی جس دیدہ دلیری سے ہوتی ہے وہ افسوس ناک ہے۔ مؤمن کی شان یہ ہے کہ ملنے اور پہنچنے کے لئے جس سے جو وقت معین کرلے اسی پر پہنچے۔

Marfat.com

۷: خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کو مؤمن کی پہلی صفت کے طور پر بیان کیا۔ اب آیت کے آخر میں ساتویں آخری صفت بھی یہی بیان کر رہے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہوں۔ نماز سے ابتداء اور نماز پر صفات مؤمنین کی انتہاء سے اس طرح اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مؤمن نماز کو اس کے پورے آداب کے ساتھ جی لگا کر پڑھے گا اور مقدور بھر اس کی پابندی کرے گا تو باقی اوصاف اس میں خود بخود پیدا ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا صفات کے حامل لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ: یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے۔ وارث کہہ کر بھی اس طرف اشارہ کر دیا کہ جس طرح مورث کا مال اس کے وارث کو حتمی اور یقینی طور پر ملتا ہے اسی طرح ان صفات کے حامل لوگوں کو بھی جنت یقینی طور پر ملے گی۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ

Marfat.com

أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ
مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا
فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا
رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ
مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ
مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِـَٔايٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا
عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
أَزْوٰجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾
أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً
وَسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾

رحمان کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ جو دعا کرتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دینا' اس کا عذاب تو چمٹ جانے والا ہے۔ وہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ اور مقام ہے۔ وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کا خرچ دونوں کے درمیان قائم رہتا ہے۔ وہ لوگ اللہ کے سوا

Marfat.com

کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اللہ نے جس جان کو محترم بنا دیا ہے اس کو حق کے بغیر قتل نہیں کرتے۔ بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو کوئی یہ کام کرے گا وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اسے دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت کے ساتھ ہمیشہ اسی میں پڑا رہے گا۔ مگر یہ کہ ان گناہوں کے بعد وہ توبہ کرے اور نیک عمل کرے۔ اسے لوگو کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عمل کرے وہ اللہ کی طرف لوٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔ یہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے' کسی بے ہودہ جگہ پر ان کا گزر ہو جائے تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور انہیں جب رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔ جو دعاء مانگتے ہیں کہ : اے ہمارے رب ! ہمیں اپنی بیویوں اور بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے پھل کا پھل منزل بلند کی صورت میں پائیں گے۔ ادب و تسلیم کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے' اور وہ کیا ہی اچھا ٹھکانہ اور مقام ہے۔

قرآن حکیم نے بعض مخصوص بندوں کو "عبادالرحمٰن" کے لقب سے نوازا۔ یہ ان کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ یوں تو سبھی اللہ کے بندے ہیں۔ مگر یہاں ان خاص بندوں کا ذکر کیا جارہا ہے جو ان صفات کے حامل ہوں جن کو مذکورہ بالا آیات میں بیان کیا گیا۔ یہ وہ بندے ہیں جنھوں نے اپنے ہر ارادے' ہر خواہش اور ہر عمل کو اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کے تابع کر لیا ہے۔ انہی بندوں کو اللہ رحیم و کریم نے اپنا بندہ کہہ کر عزت بخشی ہے۔

ان آیات میں اللہ کے مقبول اور پسندیدہ بندوں کی جو صفات اور علامات بیان کی ہیں ان میں عقائد کی درستی' اعمال و افعال کا اللہ کی مرضی اور منشا کے مطابق ہونا' دوسرے لوگوں کے ساتھ حسنِ معاشرت' اہل و عیال کی بہترین تربیت' سب شامل

Marfat.com

ہیں۔
۱: ان کی پہلی اور بنیادی صفت تو عباد ہونا ہے' عباد- عبد کی جمع ہے۔ عبد کا ترجمہ ہے بندہ' یعنی جو اپنے مالک اور آقا کا بندہ ہو' اس کے تابع فرمان ہو' ہروقت گوش بر آواز رہے کہ مالک کا جو حکم ہو وہ میں بجا لاؤں۔
۲: دوسری صفت زمین پر عجز و انکسار کے ساتھ چلنا۔ یعنی اللہ کے ان بندوں کی صفت یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اکڑتے اور اینٹھتے ہوئے نہیں چلتے۔ ان کی چال شریف' سنجیدہ اور سلیم الطبع لوگوں کی سی چال ہوتی ہے۔ نرم چال سے مراد یہ ہے کہ متکبرانہ انداز سے قدم نہیں رکھتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ بیمار اور نحیف و ناتواں لوگوں کی طرح چلتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ قدم جما کر تیزی کے ساتھ چلتے تھے۔ آپؐ کی چال میں وقار اور طمانیت ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا۔ بہت آہستہ چل رہا تھا۔ پوچھا: کیا تم بیمار ہو؟ بولا نہیں' آپؓ نے اسے ڈرانے کے لئے اپنا کوڑا اٹھایا اور حکم دیا کہ تن درست اور توانا لوگوں کی طرح چلو۔
۳: تیسری صفت یہ کہ جب جاہل اور ٹیڑھے مزاج کے لوگ ان سے کوئی ناشائستہ اور الٹی سیدھی بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: بھائی آپ کو ہمارا سلام' ہمیں معاف رکھو۔ ان سے بحث مباحثہ نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو اس سے بچاتے ہیں کہ ان کی کسی بات سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔
بحث کرنے سے بسا اوقات تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ خاموش رہنے سے بات وہیں ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

۴: کبھی اپنے رب کے آگے کھڑے ہوتے ہیں' کبھی سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنی نیند اور راحت و آسائش پر اللہ کی اطاعت اور بندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ دن کو تعلیم و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے رزق حلال کماتے ہیں۔

۵: رحمان کے ان مقبول اور پسندیدہ بندوں کی یہ بھی صفت ہے کہ دن بھی اللہ کے حکموں کی تعمیل میں گزارتے ہیں' ہر وقت اس کی رضا اور خوشنودی کے طالب رہتے ہیں' راتوں میں بھی اللہ کی اطاعت سے غافل نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود اللہ کے آگے عجز و انکسار کا عالم یہ ہے کہ اپنے ان نیک اعمال پر فخر نہیں کرتے' بے خوف نہیں ہوتے۔ آخرت کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ کے آگے رو رو کر کہتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! اس دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور ہی رکھنا' یہ چمٹ جانے والا عذاب ہے' اور دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

۶: یہ رحمان کے بندے ایسے ہیں کہ مال خرچ کرنے میں نہ فضول خرچی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں۔ اعتدال اور میانہ روی قائم رکھتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں۔ اسراف بھی اور بخل بھی۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: "انسان کی دانش مندی یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے" ایک موقع پر یہ بھی فرمایا: جو شخص خرچ میں میانہ روی کو اپناتا ہے وہ کبھی محتاج اور فقیر نہیں ہوتا"

۷: پہلی چھ صفتوں میں اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا بیان تھا۔ اب نافرمانی کی بات کرتے ہیں کہ رحمان کے یہ بندے ان نیک کاموں میں بھی مشغول ہوں جن کا ذکر کیا گیا' اور اس کے ساتھ ان برے اور ناپسندیدہ کاموں سے بھی اپنے آپ کو بچاتے ہوں جن کا آگے ذکر کیا جارہا ہے۔ برائیوں میں سب سے بڑی برائی شرک ہے' اس

Marfat.com

لئے کہا جارہا ہے کہ جو رحمان کے بندے ہیں وہ اپنے عقیدے' خیال اور عمل میں شرک کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔ ان کا ہر ارادہ اور عمل توحید خالص کا مظہر ہے۔

۸ ' ۹ : عملی گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کسی کو ناحق قتل کرنا' اور بدکاری ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتے۔

۱۰ : لا یشھدون الزور کہا۔ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ جھوٹ اور برائی کی کسی مجلس میں نہیں جاتے۔ اپنے آپ کو اس سے دور رکھتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ کوئی دباؤ اور لالچ انہیں جھوٹی گواہی دینے پر مجبور نہیں کرتا۔

۱۱ : کسی لغو اور بے ہودہ مجلس پر اگر کبھی گزر بھی ہو جائے تو وہاں بیٹھتے نہیں۔ دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔

۱۲ : ان مقبول بندوں کی شان یہ ہے کہ جب انہیں اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں' اور آخرت کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ اندھے اور بہرے نہیں بن جاتے۔ پوری توجہ کے ساتھ انہیں سنتے اور ان پر غور و فکر کرتے ہیں۔

۱۳ : اپنے اہل و عیال کے لئے حسنِ عمل کی دعا مانگتے ہیں۔ اپنے رب سے درخواست کرتے ہیں کہ ان کی اولاد نہ صرف یہ کہ خود نیک اور صالح ہو بلکہ دوسروں کو بھی نیکی اور بھلائی کی طرف بلانے والی ہو۔

یہ ساری صفتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے پاک صاف اور پسندیدہ صفات کے حامل لوگوں کے لئے جنت میں خاص محلات اور جھروکے ہوں گے اور جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ ان کا یہ اعزاز و اکرام بھی ہو گا کہ فرشتے انہیں مبارک باد دیں گے اور سلام کریں گے۔

إِنَّ ٱللَّهَ ٱشْتَرَىٰ مِنَ

ٱلْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلْجَنَّةَ يُقَٰتِلُونَ

Marfat.com

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي
التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْءَانِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ مِنَ
اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِۦ وَذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

(اللہ نے مومنین سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' کبھی دوسروں کو مارتے ہیں اور کبھی خود اپنی جان دے دیتے ہیں۔ اس کے زمہ پر پکا وعدہ ہو چکا توریت میں' انجیل میں اور قرآن میں' اور اللہ سے زیادہ قول کا پکا کون ہے۔ سو اپنے اس معاملے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے اللہ سے کیا ہے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے)

ان دو آیتوں سے پہلے جو آیتیں ہیں ان میں منافقین کا اور ان کی بری عادتوں کا ذکر ہے' وہ ہر نیکی کے کام سے اور بطور خاص جہاد سے جی چراتے تھے کیونکہ جہاد میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جان کا بھی خطرہ ہوتا ہے لیکن جو سچے اور پکے مؤمن تھے وہ اسلام کی راہ میں ہر قربانی دینے کے لئے تیار رہتے تھے' خواہ وہ مال کی ہو یا جان کی۔

سورۂ توبہ کی یہ آیتیں بیعت عقبہ کے شرکاء کے بارے میں نازل ہوئیں۔ بیعت عقبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تیرہویں سال ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے مدینہ منورہ کے ستر مرد اور عورتوں سے لی تھی۔ یہ بیعت اسلام کے اصولی عقائد و اعمال کے علاوہ اس بات پر بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں گے تو یہ آپ کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد کریں گے۔ عبداللہ بن رواحہؓ بھی بیعت کرنے والوں میں شامل تھے۔ وہ کہنے لگے: یارسول

Marfat.com

اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان اس وقت جو معاہدہ ہو رہا ہے اس میں آپ جو شرائط اپنے رب کے متعلق رکھنا چاہیں ان کی بھی وضاحت فرما دیں اور اپنے بارے میں جو شرائط رکھیں ان کا بھی ذکر فرما دیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں اللہ کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ آپ صرف اسی کی بندگی کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ میری حفاظت اس طرح کرو گے جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو۔ حاضرین نے پوچھا: اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: جنت کی لازوال نعمتیں۔ سب لوگوں نے خوش ہو کر کہا: ہم اس سودے پر راضی ہیں' اور ایسے راضی ہیں کہ اس کو کبھی فسخ نہیں کریں گے۔

یہ اگرچہ بیعت تھی مگر دیکھنے میں اور گفتگو میں صورت ایک سودے اور لین دین کی بن گئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے خریداری سے تعبیر کیا۔ ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر یہ کہا: "ہم اس معاملے پر خوشی کے ساتھ تیار ہیں اور آپؐ کی حفاظت اس طرح کریں گے جیسے ایک غیرت مند انسان اپنی عورتوں اور بچوں کی کرتا ہے اور آپ کے مقابلے پر اگر دنیا کے کالے اور گورے سب جمع ہو جائیں تو ہم ان سب کا مقابلہ کریں گے۔" بات کی ابتدا ہی اس سے کی کہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کے جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا کہ ان کو جنت ملے گی۔ یہ کہنے کے بعد اب ان کی صفتیں بیان کرتے ہیں' اور سب سے پہلے اسی صفت کا ذکر کرتے ہیں جو بیعت اور معاہدے کی بنیاد تھی۔ اس صفت کا عملی مظاہرہ دنیا نے حضور علیہ السلام کی مدنی زندگی میں دیکھا۔ ان کی پہلی اور بنیادی صفت یہ ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے رسول کی حمایت و حفاظت میں جنگ کرتے ہیں اور ایسی بے جگری سے لڑتے ہیں کہ کسی بات کی پروا نہیں کرتے۔ اللہ

Marfat.com

کے اور اس کے رسول کے دشمنوں کو مارتے ہیں اور کبھی لڑتے لڑتے ان کے ہاتھوں خود مارے جاتے ہیں اور اپنی جانیں اللہ کے حوالے کر کے جنت کے حق دار بن جاتے ہیں۔

ان مؤمنین کے جذبہ جاں نثاری اور ایفائے عہد کی اس صفت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے کہدو کہ یہ خوشیاں منائیں' انہوں نے اپنے معاملے کو خوب نبھایا۔ ان کو بتا دو کہ اللہ نے ان سے ان کی اس قربانی پر جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔ اللہ سے زیادہ قول کا سچا اور پکا کون ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد ان مؤمنین کی سات صفتیں بیان کیں۔ گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں' اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں' اللہ کی حمدو ثنا کرنے والے ہیں' روزے رکھنے والے ہیں' اللہ کے حضور رکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں' نیکیوں کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہیں اور آخری صفت بیان کی کہ اللہ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہ بڑا جامع فقرہ ہے۔ مطلب یہ کہ مؤمنین کی جو سات صفتیں بیان کی گئیں ان سب کا اجمال اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے جس کام کی جو حد مقرر کر دی ہے اس سے یہ لوگ تجاوز نہیں کرتے' اس کی پابندی اور حفاظت کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جن مومنین کی یہ صفات ہوں ان کو ایسی نعمتوں کی خوش خبری سنا دو جو ان کے وہم و گمان سے بڑھ کر ہیں' جن کا ذکر انہوں نے کبھی نہیں سنا' اور جن کی حقیقت کسی عبارت اور بیان و کلام سے واضح کرنا ممکن نہیں اور یہ نعمتیں جنت کی نعمتیں ہیں۔

Marfat.com

باب: ۵

حواشی و حوالہ جات

۱: اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور ابوداؤد نے اپنی اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: سیرۃ النبی (سید سلیمان ندوی) جلد : ۶۔ نیز معارف الحدیث (منظور نعمانی) جلد ۲۔

۲: سیرۃ المصطفیٰ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ جلد: ۱، ص: ۱۳۸

۳: القرآن: ۲ (البقرہ)، ۳

۴: القرآن: ۲ (البقرہ)، ۴

۵: القرآن: ۲ (البقرہ)، ۵

۶: القرآن: ۲ (البقرہ)، ۷۷

۷: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۱۴

۸: القرآن: ۲۲ (الحج)، ۴۱

۹: القرآن: ۳ (ال عمران)، ۱۳۴ - ۱۳۶

۱۰: القرآن: ۲۳ (المومنون)، ۱ - ۱۱

۱۱: القرآن: ۲۵ (الفرقان)، ۶۳ - ۷۶

۱۲: القرآن: ۹ (توبہ)، ۱۱۱، ۱۱۲

مزید تفصیل کے لئے مطالعہ کیجئے

سیرۃ النبی - سید سلیمان ندوی - جلد: ۶

معارف الحدیث - مولانا محمد منظور نعمانی - جلد: ۲

Marfat.com

تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع - جلد : ۲، ص : ۱۸۴ - ۱۸۶، جلد : ۶، ص : ۵۰۱ - ۵۱۰

تفہیم القرآن - مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - جلد : ۳، ص : ۲۶۸

معارف القرآن - مولانا محمد ادریس کاندھلوی - جلد : ۳، ص : ۴۱۰ - ۴۱۲

معالم القرآن- مولانا محمد علی الصدیقی- جلد : ۲

Marfat.com

Marfat.com

باب: ٦

معاملات اور معاشرت

Marfat.com

Marfat.com

باب ٦

معاملات اور معاشرت

معاملات اور معاشرت کا تعلق دراصل ہماری زندگی کی ضرورتوں اور خواہشوں سے ہے' اور اللہ تعالیٰ نے یہ بڑا فضل فرمایا ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں بھی احکام دے کر ہمارے لئے ان کو بھی ثواب' اپنی رضا اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں' جیسے قرض' امانت' خرید و فروخت' نوکری' مزدوری وغیرہ اور معاشرت سے مراد رہن سہن کا برتاؤ ہے جو ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے کسی قسم کا تعلق اور واسطہ پڑتا ہے' خواہ مستقل اور دائمی واسطہ ہو' جیسے ماں باپ' اولاد' بہن بھائی' اور دوسرے اقارب اور میاں بیوی کا' یا گھر کے برابر رہنے والے پڑوسی کا اور خواہ یہ تعلق عارضی اور وقتی ہو جیسا کہ مثلاً سفر کے رفیقوں کا' یا دفتر' یونٹ' مدرسہ یا کارخانہ کے ساتھیوں کا۔

دین میں معاملات اور معاشرت کی اہمیت: اخلاق کی طرح دین میں ان دونوں شعبوں کی بھی بڑی اہمیت ہے' بلکہ ان کو دوسرے شعبوں کے مقابلہ میں اس حیثیت سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ ان میں دنیوی نفع' اور مصلحت' اور اپنی خواہش نفس کے درمیان اور اللہ کے احکام کے درمیان کشمکش دوسرے تمام شعبوں کی بہ نسبت زیادہ رہتی ہے مثلاً کاروبار میں نفع اس میں نظر آتا ہے' اور نفس کی خواہش بھی عموماً یہی ہوتی ہے کہ جھوٹ سچ' اور جائز ناجائز کا لحاظ نہ کیا جائے' بلکہ جیسا موقع ہو' اور جس کام میں نفع کی زیادہ امید ہو اسے کر گزرا جائے لیکن اللہ کا دین یہ کہتا ہے کہ خبردار چاہے سراسر نقصان ہو' اور چاہے بالکل دیوالیہ نکل جائے لیکن جھوٹ ہرگز نہ بولو' اور صرف اس طریقے سے کاروبار کرو جس طریقے سے اللہ نے اجازت دی ہے۔
اسی طرح معاشرت یعنی آپس کے برتاؤ کا حال ہے اس میں بھی خواہش نفس اور اللہ کے حکم کے درمیان اکثر مقابلہ اور تصادم رہتا ہے' اس لئے بندہ کی بندگی اور فرماں برداری کا سب سے زیادہ سخت امتحان معاملات اور معاشرت کے احکام میں ہے۔

Marfat.com

اور دوسرا پہلو ان شعبوں (جنہیں حقوق العباد سے تعبیر کیا جاتا ہے) کی اہمیت کا ہے کہ ان کا تعلق اللہ کے بندوں کے حقوق سے بھی ہے۔ یعنی نماز اور روزہ اگرچہ ارکان دین ہیں اور اس حیثیت سے ایمان کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ لیکن وہ صرف اللہ کا حق ہیں۔ اور جو شخص ان میں کوتاہی کرتا ہے وہ صرف اللہ کا مجرم ہوتا ہے' اور اگر توفیق مل جائے اور سچے دل سے استغفار اور توبہ کر کے اپنے یہ گناہ معاف کرا لے تو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے معافی کی امید ہے۔ لیکن معاملات اور معاشرت میں اگر گڑ بڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہوئی اور کسی نہ کسی بندے کی اس میں حق تلفی بھی ضرور ہوئی اور بندے تو عموماً ہم ہی جیسے کم حوصلہ اور تنگ ظرف ہوتے ہیں' وہ تو قیامت میں اپنا معمولی سا حق بھی نہ چھوڑیں گے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"بعض لوگ نماز' روزہ اور صدقہ و خیرات کی قسم کی بہت سے نیکیاں یہاں سے کما کر لے جائیں گے لیکن ان کے معاملات اور ان کی معاشرت خراب ہو گی' کسی کا حق مارا ہو گا' کسی کا دل دکھایا ہو گا' کسی کی غیبت کی ہو گی وغیرہ وغیرہ۔ جب وہ محشر میں مقام حساب میں پہنچیں گے تو جن لوگوں کے معاملاتی اور معاشرتی حقوق ان کے ذمہ ہوں گے وہ مدعی بن کر کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے انصاف کے طالب ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انصاف اور فیصلہ فرمائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نماز' روزہ' صدقہ خیرات قسم کی ساری نیکیاں ان لوگوں کو دلوا دی جائیں گی جو اپنے حقوق کے دعوے دار ہوں گے اور جب ان نیکیوں سے بھی ان لوگوں کے پورے حقوق ادا نہ ہوں گے تو ان مدعیوں کے کچھ گناہ ان لوگوں پر لاد دیئے جائیں گے اور بالآخر یہ لوگ جہنم میں ڈلوا دیئے جائیں گے۔" (۱)

قرآن حکیم نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ایک سو آٹھ میں کہا گیا ہے۔ اس کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہودیوں کے مذہب میں اونٹ کا گوشت حرام تھا

Marfat.com

اور اسلام میں جائز تھا۔ انہوں نے یہ سوچا کہ ہمارے پہلے دین میں اونٹ کا گوشت حرام تھا اسلام میں جائز ہے۔ اگر ہم ایسا کریں کہ اسلام لانے کے بعد اعتقادی طور پر اونٹ کے گوشت کو حلال سمجھیں مگر عملاً اس کو استعمال نہ کریں۔ تو اس طرح موسوی مذہب پر عمل ہو جائے گا' اس کے خلاف ورزی بھی نہیں ہو گی اور اسلامی حکم کا انکار بھی لازم نہیں آئے گا۔ اس تصور کو رد کرنے کی خاطر یہ آیت نازل ہوئی کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ کسی ایسی حکم اور کام کی رعایت سے بھی روک دیا گیا جسے اسلام نے قابل رعایت قرار نہ دیا ہو اور ایسی رعایت کو دین کا حصہ سمجھنا' شیطانی لغزش قرار دیا' اس لئے کہ ظاہری گناہوں کی نسبت اس طرح کا عمل زیادہ خطرناک ہے۔

اسی آیت کے پس منظر میں سوچنا چاہئے کہ اسلام میں اس بات کی کہاں تک گنجائش ہے کہ بعض حکموں پر عمل کر لیا جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے۔

اس میں ان لوگوں کے لئے خاص تنبیہ ہے جنہوں نے اسلام کو صرف مسجدوں اور عبادت گاہوں تک مخصوص بلکہ محدود کر رکھا ہے۔ معاملات اور معاشرت کو گویا دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ خرید و فروخت' کرایہ' اجارہ' قرض ہر قسم کا لین دین سب اپنی مرضی اور مصلحت کے مطابق کرتے ہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی میں کبھی خیال نہیں آتا کہ اس کی اس دین میں جس کے ہم نام لیوا ہیں کتنی اہمیت ہے۔ مفاد کے مطابق ہوا تو کر لیا' ظاہر میں' اور وقتی طور پر نقصان کا کوئی پہلو نظر آیا تو چھوڑ دیا۔ اصطلاحی دین داروں میں یہ صورت حال عام ہے۔ حقوق العباد' معاملات اور خاص طور پر معاشرتی امور میں تو اسلامی احکام کو بالکل ہی نظرانداز کیا جاتا ہے۔ خواتین سے متعلقہ معاملات میں ہندوانہ رسم و رواج پر عمل ہے اور ان جاہلانہ رسم و رواج کے سبب خواتین پر جو ظلم ہو رہا ہے ان کے حقوق جس طرح پامال ہو رہے ہیں' اس کو اسلام کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے یہ اسلام کے ساتھ مذاق ہے۔

بہرحال اس پہلو سے معاملات اور معاشرت کی بڑی اہمیت ہے' اور غالباً اسی

Marfat.com

حیثیت سے ایک حدیث میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح کو صراحتاً" نماز' روزہ' اور صدقہ و خیرات سے افضل بتایا گیا ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابو داؤد نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اس کے راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے فرمایا:

الا اخبر کم بافضل من درجة الصیام والصدقة والصلوة

(کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو روزہ' صدقہ اور نماز سے بھی افضل ہے۔)

ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا وہ چیز ضرور بتلایئے آپ نے ارشاد فرمایا:

اصلاح ذات البین و فساد ذات البین ھی الحالقة (۲)

(وہ چیز آپس کے معاملات اور معاشرتی تعلقات کی اصلاح ہے اور ان معاملات اور تعلقات کی خرابی' مونڈ دینے والا استرا ہے۔)

ان دو حدیثوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کی کتنی اہمیت ہے۔ افسوس! آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دین دار حلقوں میں بھی معاملات اور معاشرت کے اصلاح و درستی کا اتنا اہتمام نہیں' جتنا کہ ہونا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ جن کی حالت نماز' روزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت ہے' معاملات اور برتاؤ ان کے بھی اسلامی نہیں۔ ایسی حالت میں عبادتیں اور دعائیں کیا قبول ہوں؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" من اشتری ثوبا بعشرة دراھم و فیه درھم حرام لم یقبل الله تعالی له صلواة مادام علیه ثم ادخل اصبعیه فی اذنیه و قال صمتا ان لم یکن النبی صلی الله علیه وسلم سمعته یقوله "(۳)

Marfat.com

(جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا اور ان دس درہموں میں ایک درہم حرام ہے۔ جو کسی ناجائز ذریعہ سے حاصل ہوا تھا تو جب تک وہ شخص اس کپڑے کو پہنے رہے گا اس کی کوئی نماز بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث سنا کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر سامعین سے فرمایا کہ بہرے ہو جائیں میرے یہ کان اگر میں نے حضور سے یہ بات نہ سنی ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا (۴)

(اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔)

اس کے بعد آپ نے رزق طیب حاصل کرنے کی تاکید فرمائی اور آخر میں ایک شخص کا ذکر فرمایا۔

''جو دور دراز کا سفر کر کے (کسی خاص مقصد اور متبرک مقام پر دعا کرنے کے لئے) اس حال میں آئے کہ اس کے بال پراگندہ ہوں' اور سر سے پاؤں تک وہ غبار میں اٹا ہوا ہو' اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کے خوب الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرے اور کہے اے میرے رب! اے میرے پروردگار! لیکن اس کا کھانا پینا حرام ہو' او حرام مال سے ہی اس کی پرورش ہوئی ہو' تو اس حالت میں اس کی یہ دعا کیونکر قبول ہو گی۔ (۵)

مطلب یہ کہ جب کسی شخص کے کاروباری معاملات درست اور شریعت کے مطابق نہ ہوں اور اس کا کھانا' پہننا حرام مال اور ناجائز آمدنی سے ہو' تو اس کی دعا قابل قبول نہیں۔ چاہے وہ ہزاروں میل کا سفر کر کے کسی مقدس اور متبرک مقام پر جا کر ہی دعا کرے۔ ایک حدیث میں ہے۔

Marfat.com

لا یدخل الجنة جسد غذی بالحرام(۶)

(جو جسم حرام غذا اور ناجائز آمدنی سے پلا ہو وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کی رضا و رحمت حاصل کرنے کے لئے اور سچا مسلمان بننے کے لئے جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات اور اخلاق بہت ضروری ہے اس طرح معاملات کی درستی اور ذرائع آمدنی کی صحت اور پاکی بھی ضروری ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں سے اپنی بیزاری اور بے تعلقی کا اعلان فرمایا ہے جو کاروبار میں ایمانداری اور دیانت داری کے اصول کی پابندی نہ کریں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے جو کسی دکاندار نے لگا رکھا تھا۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو اندر کچھ نمی اور تری محسوس ہوئی۔ حالانکہ اوپر سے غلہ سوکھا نظر آتا تھا' آپؐ نے دکاندار سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ اوپر سے تمہارا غلہ خشک اور اندر سے گیلا ہے؟ اس نے کہا کچھ بوندیں پڑ گئی تھیں جس سے غلہ تر ہو گیا تھا' آپؐ نے فرمایا: پھر تم نے اس بھیگے ہوئے غلہ کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہ ڈالا تاکہ خریدار تمہارے غلہ کے بھیگے پن کو دیکھ سکتے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

"من غش فلیس منی"(۷)

(جو کوئی کاروبار میں ایسا دھوکا کرے' وہ میرا نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔)

اس طرح جو لوگ اسلام کے سکھائے ہوئے شریفانہ آداب معاشرت کی پابندی نہ کریں ان کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے کہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا"(۸)

(جو ہمارے چھوٹوں کے ساتھ رحم و شفقت سے اور بڑوں کے ساتھ ادب و

Marfat.com

احترام سے پیش نہ آئے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)

معاشرت کا اصول یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی دل آزاری سے بچا جائے اور ان کا حق ادا کرنے کی اور شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے ان کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کی اور ان کے حق کے مطابق ان کو آرام پہنچانے کی پوری کوشش کی جائے۔ اس معاملے میں اسلام کا جو منشاء اور نقطہ نظر ہے اس کا کچھ اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا:

"جب تین آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوں تو ایک کو تنہا چھوڑ کر ان میں سے دو الگ الگ باتیں نہ کریں (ممکن ہے اس سے اس کا دل دکھے' اور وہ آزرد خاطر ہو) بلکہ جب کوئی چوتھا آجائے جو اس کے پاس بیٹھا رہ سکے تو یہ دونوں الگ ہو کر اپنی باتیں کر لیں۔" (۹)

لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ دوسرے کی دل آزاری میں ہی لذت ملتی ہے' اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کامل نہیں ہو سکتا' اور ہم اس وقت تک اچھے مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ اپنے معاملات اور اپنی معاشرت کو بھی درست نہ کریں۔

Marfat.com

باب: ۵
حوالہ جات

۱۔ صحیح مسلم۔ بحوالہ مشکوۃ المصابیح
۲۔ سنن ابی داؤد' جامع ترمذی۔
۳۔ مسند امام احمد بن حنبل۔
۴۔ مشکوۃ المصابیح۔
۵۔ صحیح مسلم۔
۶۔ مشکوۃ المصابیح۔
۷۔ صحیح مسلم۔
۸۔ سنن ابی داؤد' جامع ترمذی' صحیح بخاری' (ابواب البر والصلہ)
۹۔ سنن ابی داؤد۔ (کتاب الادب)

مزید مطالعہ کے لئے:

۱۔ سیرۃ النبی' (شبلی نعمانی)' جلد:۲
۲۔ معارف الحدیث' (منظور نعمانی)۔

Marfat.com

باب : ۷

معمولاتِ نبوی

Marfat.com

Marfat.com

باب: ۷

معمولاتِ نبویؐ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیئے تھے' ایک عبادت الٰہی کے لئے اور دوسرا عام لوگوں کے لئے اور تیسرا اپنی ذات کے لئے۔

صبح سے شام تک کے معمولات

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے' یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا' لوگ پاس آ آ کر بیٹھتے اور آپ ان کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے۔ (۱)

اکثر صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے' آپ اس کی تعبیر بیان فرماتے' کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے' اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی' لوگ مختلف قصے بیان کرتے' شعر پڑھتے' ہنسی خوشی کی باتیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیتے' اکثر اسی وقت مال غنیمت اور وظائف و خراج وغیرہ تقسیم فرماتے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی۔ کبھی چار' کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے' گھر جا کر گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے' پھٹے کپڑوں کو سیتے' جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے' دودھ دوہتے۔

نماز عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے' پھر کسی ایک کے ہاں رات بسر فرماتے' تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں عشا تک سب وہیں جمع رہتیں پھر نماز عشاء کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آکر سوجاتے۔ ازواج رخصت ہو جاتیں۔ نماز عشاء کے بعد بات چیت ناپسند

Marfat.com

فرماتے۔ (۲)

خواب

عام معمول یہ تھا کہ آپ اول وقت نماز عشاء پڑھ کر آرام فرماتے تھے' سوتے وقت پابندی کے ساتھ قرآن مجید کی کوئی سورۃ (بنی اسرائیل' زمر' حدید' حشر' صف' تغابن' جمعہ) پڑھ کر سوتے۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے:

"اللھم باسمک اموت واحی"

(اے اللہ تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں)۔

جاگتے تو فرماتے:

"الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" (۳)

(اس اللہ کا شکر جس نے موت کے بعد زندگی عطا کی اور اس کی طرف حشر ہوگا۔)

آدھی رات یا پہر رات جاگ اٹھتے' مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی' اٹھ کر پہلے مسواک فرماتے' پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے' آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی۔

ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے' لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اونچا کر کے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے تاکہ گہری نیند آجائے' نیند میں کبھی کبھی خراٹے کی آواز آتی تھی۔

بچھونے میں کوئی التزام نہ تھا' کبھی معمولی بستر پر' کبھی کھال پر' کبھی چٹائی اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی معمولات سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے برابر کوئی واقف نہ تھا' ان کا بیان ہے جب سورۃ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ

Marfat.com

نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آگیا' بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں' سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیام لیل جو اب تک فرض تھا نفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے' پھر ایک اور رکعت پڑھتے' اور اس میں بھی جلسہ کرتے' پھر دو رکعت اور ادا کرتے' اس طرح ۱۱ رکعتیں ہو جاتیں لیکن جب عمر زیادہ ہو گئی اور جسم ذرا بھاری ہو گیا تو سات رکعتیں پڑھتے جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں ۱۲ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ (۴)۔

ابو داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ):

"عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر میں چلے آتے اور یہاں آکر چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت فرماتے' وضو کا پانی اور مسواک سرھانے رکھ دی جاتی' سو کر اٹھتے' پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آکر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں زمین پر فرش بچھا ہوا تھا' آپ نے اس پر آرام فرمایا' میں سامنے آڑا سویا' قریباً رات ڈھلے آپ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے' آل عمران کی آخیر دس آیتیں پڑھیں' پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی اس سے وضو کیا' پھر نماز شروع کی' میں بھی وضو کر کے بائیں پہلو میں کھڑا ہو گیا' آپ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی طرف پھیر دیا' ۱۳ رکعتیں پڑھ کر آپ سو رہے' یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی' صبح ہوتے حضرت بلال نے اذان دی' آپ اٹھے' فجر کی سنتیں ادا کیں' پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔

معمولات نماز

Marfat.com

(ابتدا میں آپ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے' لیکن جب یہ گراں گزرنے لگا تو صرف پنجوقتہ مسواک رہ گئی' فتح مکہ میں آپ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں۔ تاہم عادۃً" آپ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے' وضو میں عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے' پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے' اس کے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے' سر کا مسح کرتے' اور تین بار پاؤں کو دھوتے' بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دو بار اور کسی کو ایک بار دھوتے۔

سنن و نوافل زیادہ تر گھر میں ادا فرماتے' اذان صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے' یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی یا نہیں لیکن فرض کی دو رکعتوں میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے۔

حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ ایک بار آپ نے مکہ میں نماز فجر میں سورۃ مومنون پڑھی اسی طرح کبھی واللیل' والفجر اور کبھی سورہ ق پڑھتے' صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتیں تک پڑھتے تھے۔

ظہر و عصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے' تاہم ابتدا کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورت پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا' اور وہاں اپنا کام کرتا تھا' پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا' اور پہلی رکعت میں جا کر شامل ہو جاتا تھا' صحابہ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اول دو رکعتوں میں آپ اس قدر قیام فرماتے ہیں جس میں الٓم تنزیل السجدہ کے برابر سورہ پڑھی جا سکتی ہے' اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی' عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کے نصف مقدار رہ جاتی تھی' حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اس کے نصف کے برابر' اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے

Marfat.com

تھے' جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ ظہر میں آپ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے' مغرب کے نماز میں والمرسلات اور سورۃ طور پڑھتے تھے۔

عشاء کی نماز میں والتین والزیتون اور اس کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے۔

تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے' مثلاً سورہ بقرہ' سورہ آل عمران' سورہ نساء' جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ یسبح للہ ما فی السموات اور دوسری رکعت میں اذا جاء ک المنفقون اور کبھی سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتاک حدیث الغاشیة

عیدین میں بھی دو پچھلی سورتیں یعنی سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک پڑھتے تھے' اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑ جاتا تو دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتا تھے۔

جمعہ کے دن کسی نماز میں الٓم تنزیل السجدہ اور ھل اتی علی الانسان حین من الدھر پڑھنے کا معمول تھے۔ (۵)

معمولات خطبہ

وعظ و پند اور ارشاد وہدایت کے لئے آپ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے' بالخصوص جمعہ کے لئے تو خطبہ لازی تھا' جمعہ کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے' مسجد میں داخل ہوتے اور لوگوں کو سلام کرتے' پھر منبر پر تشریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے' اور اذان کے فوراً بعد خطبہ شروع کر دیتے' پہلے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا' لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا' خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا' فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے' جمعہ کے خطبہ میں عموماً سورۃ "ق" پڑھتے تھے' اس میں قیامت اور حشر و نشر کا تفصیلی ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ اللہ کی حمد و ثنا کے ساتھ شروع کرتے تھے' اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آ جاتا تو منبر سے اتر کر اس کو کر لیتے' پھر منبر پر جا کر خطبہ کو پورا فرماتے' ایک

Marfat.com

بار آپ خطبہ دے رہے تھے' اسی حالت میں ایک آدمی نے آکر کہا یا رسول اللہ میں مسافر ہوں اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہوں' اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں' آپ منبر سے اتر آئے' ایک کرسی رکھ دی گئی' اس پر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی' پھر جا کر خطبہ کو پورا کیا' ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے' امام حسین رضی اللہ عنہ سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آگئے' چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ضبط نہ ہو سکا' منبر سے اتر آئے اور گود میں اٹھالیا' اور یہ آیت پڑھی انما اموالکم و اولادکم فتنة

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے' چنانچہ خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: اٹھو اور پڑھو۔

میدان جہاد میں جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے' بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ہاتھ میں تلوار لے کر کھڑے ہوتے تھے' لیکن ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ نے خطبہ کی حالت میں کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی۔

وعظ و ارشاد کے لئے عموماً ناغہ دیکھ کر خطبہ دیا کرتے تھے' تاکہ لوگ گھبرا نہ جائیں۔ (۶)

معمولات سفر

حج' عمرہ اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آتی۔ سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات کے لئے قرعہ ڈالتے' جس کے نام قرعہ نکلتا وہ ہمسفر ہوتیں' جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے' اور صبح سویرے روانہ ہو جاتے تھے۔ افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے۔ جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے' اس کے بعد یہ آیت پڑھتے۔

" سبحان الذی سخرلنا هذا وما کنا له مقرنین و انا الی ربنا

Marfat.com

لمنقلبون" (۷)

(پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کر سکتے تھے اور ہم اپنے اللہ کی طرف پلٹنے والے ہیں۔)

پھر یہ دعا فرماتے:

اے اللہ اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی' پرہیز گاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں' اے اللہ ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کر دے' خدا وندا سفر میں تو رفیق ہے' بال بچوں کے لئے تو ہمارا قائم مقام ہے' اے اللہ میں سفر اور واپسی کے آلام' مصائب اور گھر بار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے' اور جب اس سے نیچے اترتے تو تسبیح پڑھتے' صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہو کر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے۔

"یا ارض ربی و ربک اللہ اعوذ باللہ من شرک و شرما فیک و شر ما خلق فیک و شرما یدب علیک و اعوذبک من اسد و اسود و من الحیق والعقرب و من ساکنی البلد و من والد وما ولد" (۸)

(اے زمین میرا اور اور تیرا پروردگار اللہ ہے' میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس کے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں' اے اللہ تجھ سے شر' سانپ' بچھو اور اس گاؤں کے رہنے والوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔)

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے۔

"اللھم رب السموت السبع وما اظللن و رب الارضین السبع وما اقللن و رب الشیاطین و ما اضللن و ما اسئالک خیر ھذہ القریۃ و خیر اھلھا و اعوذبک من شرھا و شر اھلھا و شرما فیھا" (۹)

Marfat.com

(خداوندا اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ فگن ہیں اے ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں' اے شیاطین اور ان تمام نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں' اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں' میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔)

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے' پھر مکان کے اندر تشریف لے جاتے' تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں یہاں تک کہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست نہ کرلیں۔

معمولات جہاد

جہاد میں معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر لشکر کو خاص طور پر پرہیز گاری اختیار کرنے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے' پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے:

"اغزوا باسم الله فی سبیل الله قاتلوا من کفر بالله اغزوا ولا تغلوا لا تعذروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا" (۱۰)

(اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں کفار سے لڑو' خیانت اور بدعہدی نہ کرنا' مردوں کے ناک' کان نہ کاٹنا' بچوں کو قتل نہ کرنا۔)

اس کے بعد شرائط جہاد کی تلقین فرماتے۔

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے:

"استودع الله دینکم وامانتکم وخواتیم اعمالکم" (۱۱)

(میں تمہارے فرض کو' امانت کو' اور تمہارے اعمال کے نتائج کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔)

Marfat.com

جب خود شریک جہاد ہوتے' اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا' تو دن ڈھلے حملہ کرتے جب کوئی مقام فتح ہو جاتا' تو اقامت عدل و انصاف کے لئے وہاں تین دن تک قیام فرماتے جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدہ شکر بجا لاتے' جب میدان جہاد میں شریک کار زار ہوتے تو یہ دعا فرماتے۔

"اللھم انت عضدی و نصیری بک احول و بک اصول و بک اقاتل "

(خداوندا تو میرا دست و بازو ہے تو میرا مددگار ہے تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں' حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔)

معمولات عیادت و تعزیت:

بیماروں کی عیادت و غم خواری آپ ضرور فرماتے تھے' صحابہ کو ارشاد ہوتا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے' ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آ جاتا تو صحابہ کو اس کی اطلاع دیتے' آپ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے' اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے' یہاں تک کہ دم واپسیں کے انتظار میں آپ کو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپ کو تکلیف ہونے لگتی' صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا' اور اب ان کا یہ معمول ہو گیا کہ جب شخص مرجاتا تو آپ کو اس کی موت کی خبر دیتے' آپ اس کے مکان پر تشریف لے جاتے' اس کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے' جنازہ کی نماز پڑھتے' اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے' لیکن صحابہ کو آخر آپ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی اس لئے خود جنازہ آپ کے مکان تک لانے لگے' اور پھر یہی معمول ہو گیا۔

عیادت کے لئے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسکین دیتے' پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے' اس کی صحت کے لئے دعا فرماتے اور کہتے انشاء اللہ خدا نے چاہا تو خیریت ہے' کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے' ایک بار ایک

Marfat.com

دیہاتی مدینہ میں آکر بیمار پڑ گیا' آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تسکین ادا فرمائے' اس نے کہا تم نے خیریت کہا' شدید تپ ہے جو قبر میں ملا کر چھوڑے گی' آپ نے فرمایا "ہاں اب یہی ہو"۔ (۱۲)

معمولات ملاقات

معمول تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے' کوئی شخص اگر جھک کر آپ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے' مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا' یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے' اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے' مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔

جو شخص حاضر ہونا چاہتا اور دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے السلام علیکم کہتا' پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ خود بھی آپ کسی سے ملنے جاتے تو اس طرح اجازت مانگتے' کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا' تو آپ اس کو واپس کر دیتے' ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا' اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو یعنی پہلے سلام کرلے' تب اجازت مانگے۔

ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ دودھ' ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں' کلدہ یونہی بلا اجازت چلے آئے' آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔

ایک دفعہ حضرت جابر زیارت کے لئے آئے' اور دروازہ پر دستک دی' آپ نے پوچھا کون ہے؟ بولے میں آپ نے فرمایا: "میں میں" یعنی یہ کیا طریقہ ہے' نام بتانا چاہئے۔

جب آپ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیکم کہہ کر اجازت طلب فرماتے۔ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا۔ اگر

Marfat.com

صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے' ایک دفعہ سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لائے اجازت کے لئے السلام علیکم و رحمتہ اللہ کہا سعد نے اس طرح آہستہ سے سلام کا جواب دیا کہ آپ نے نہیں سنا حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے' حضرت سعد نے کہا چپ رہو رسول اللہ بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لئے برکت کا سبب ہو گا۔ آپ نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعد نے پھر اس طرح جواب دیا۔ آپ نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اجازت طلب کی اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے' حضرت سعد نے آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا' لیکن آہستہ جواب دیتا تھا' کہ آپ بار بار سلام فرمائیں۔

کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے' ایک بار آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے گھر تشریف لے گئے' انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لئے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا' لیکن آپ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا آپ کے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے درمیان آگیا۔ (۱۳)

کھانے پینے کے معمولات

آپ کا کھانا اکثر و بیشتر کھجور اور پانی ہوتا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں' ہم آل محمد ہیں' اور ہمارا حال یہ ہے کہ ایک ایک مہینہ گزر جاتا ہے اور ہمارے گھر میں چولہا نہیں جلتا' یعنی روٹی سالن پکانے کی نوبت نہیں آتی' کھجور او رپانی پر گزر ہوتا رہتا ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' عروہ سے کہتی ہیں' اے بھتیجے! خدا کی قسم ہم چاند دیکھتے ہیں' وہ مہینہ ختم ہو جاتا ہے' دوسرا چاند دیکھتے ہیں' وہ بھی ختم ہو جاتا ہے' تیسرے مہینہ کا چاند دیکھتے' مگر نبی علیہ السلام کے گھروں میں چولہا روشن نہیں ہوتا' عروہ بولے' خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گزر بسر کیسے ہوتا ہے؟ کھجور اور پانی پر' ہاں ہمارے ہاں دو پڑوسی ہیں' انصاری' گنجائش والے ہیں' وہ بیچارے کبھی کبھار دودھ وغیرہ بھیج

Marfat.com

دیتے ہیں تو ہم حضور اقدس کے لئے رکھ دیتے ہیں۔

کعب بن عجرہ کہتے ہیں میں نے نبی علیہ السلام کو دیکھا' آپ تین انگلیوں سے کھانا کھا رہے تھے' کن انگلی' اس کے ساتھ والی' اور درمیان والی انگلی کے ساتھ' پھر میں نے دیکھا کہ ہاتھ صاف کرنے سے پہلے یہ تینوں انگلیاں چاٹ رہے تھے۔

جب تک کھانے سے بھاپ اٹھتی رہتی' یعنی زیادہ گرم ہوتا آپ اسے کھانا مکروہ سمجھتے تھے' آپ گرم کھانا کبھی نہیں کھاتے تھے' اور فرماتے' گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو' اللہ تعالیٰ' آگ کی گرمی ہمیں کھلانا پسند نہیں فرماتا۔

آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ کھانا کھاتے جو آپ سے قریب ہوتا' کبھی تین کی بجائے چار انگلیوں سے کھانا کھاتے' دو انگلیوں سے آپ نے کبھی کھانا نہیں کھایا اور فرمایا دو انگلیوں سے کھانا شیطان کا فعل ہے۔ آپ کھانے کی پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرتے اور فرماتے۔ آخری کھانے میں زیادہ برکت ہوتی ہے۔ آپ اس وقت تک انگلیاں چاٹتے رہتے جب تک انگلیاں سرخ نہ ہو جاتیں' جب تک آپ ایک ایک انگلی چاٹ نہیں لیتے تھے' اس وقت تک رومال سے ہاتھ صاف نہیں کرتے تھے۔ اور فرماتے' نہیں معلوم کون سے کھانے میں برکت ہے۔

جب آپ گوشت اور روٹی کھاتے تو فارغ ہو کر خوب اچھی طرح ہاتھ دھوتے' پھر جو پانی بچتا اس سے منہ دھو لیتے۔

آپ جب کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے' تو اس طرح بیٹھتے کہ دونوں گھٹنے موڑ لیتے جیسے نمازی قعدہ میں موڑ لیتا ہے' ایک گھٹنہ دوسرے گھٹنہ پر' اور آپ پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ لیتے اور فرماتے' میں ایک بندہ ہوں۔ اور اس طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کو کھانا چاہئے' اور اس طرح بیٹھتا ہوں' عجز اور انکسار کے ساتھ جیسے ایک بندہ کو بیٹھنا چاہئے۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا میں کبھی ٹیک لگا کر کھانا

Marfat.com

نہیں کھاتا۔

ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے منہ کے بل جھک کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ نیز آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی کھانا کھاتے وقت' بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔

آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ حلال کھانے سے کبھی پرہیز نہیں فرماتے تھے' سالن میں اگر بھنا ہوا گوشت ہوتا تو وہ تناول فرماتے' اگر گوشت نہ ہوتا تو روٹی ہی کھا لیتے اور بعض مرتبہ نہ سالن ہوتا نہ روٹی' کھجوریں ہی ہوتیں تو آپ وہی کھا لیتے' گیہوں کی روٹی ملتی یا جو کی' سب کھا لیتے' اگر حلوہ یا شہد ملتا تو تناول فرماتے' اگر کسی وقت دودھ میسر ہوتا اور روٹی نہ ہوتی تو آپ دودھ پر اکتفا فرماتے۔ خربوزہ ملتا تو وہ کھا لیتے' بہرحال جو حلال اور طیب چیز موجود ہوتی وہ تناول فرماتے اور کوئی چیز کھانے سے انکار نہ فرماتے۔

زھدم جرمی کہتے ہیں۔ ہم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' مرغی کا گوشت آیا' ایک شخص مجلس میں سے الگ ہٹ گیا' ابو موسیٰ اشعری نے کہا' بھئی تجھے کیا ہوا' تو کیوں پیچھے ہٹ گیا؟ کہنے لگا میں نے ایک دفعہ مرغی کو گندگی کھاتے ہوئے دیکھا' تو اس روز سے قسم کھالی کہ اب اس کا گوشت نہیں کھاؤں گا' ابو موسیٰ بولے' قریب آجاؤ اور کھاؤ' میں نے نبی علیہ السلام کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

نبی علیہ السلام' مرغی کا اور ان تمام پرندوں کا گوشت کھاتے تھے جنہیں شکار کیا جاتا ہے۔ آپ خود کبھی نہ مرغی خریدتے تھے' اور نہ کوئی پرندہ شکار کرتے تھے۔ یہ پسند فرماتے کہ کوئی اور شکار کر کے آپ کے لئے لے آئے' اور آپ تناول فرمائیں۔

آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے جب ہنڈیا پکایا کرو تو اس میں کدو زیادہ ڈال دیا کرو' کیونکہ کدو دل کو تقویت پہنچاتا ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی علیہ السلام حلوے کو اور شہد کو بہت

Marfat.com

پسند فرماتے تھے' پینے کی چیزوں میں آپ کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز شہد اور دودھ تھی' جب آپ دودھ نوش فرماتے تو کہتے' یہ میرے لئے آخری چیز ہے یعنی کھانے کے اختتام پر جیسے میٹھا وغیرہ کھاتے ہیں' ایسے ہی حضور اگر کھانے کے آخر میں دودھ نوش فرماتے تو یہی کہتے کہ یہ اس وقت کے کھانے کا آخری جزو ہے۔ کبھی آپ خالص دودھ نوش فرماتے' اور کبھی اس میں ٹھنڈا پانی ملا کر پیتے۔ جب آپ کو دودھ پیش کیا جاتا تو فرماتے۔ یہ بہت بڑی برکت ہے۔ بسا اوقات آپ دودھ اور کھجور دونوں کو ملا کر کھاتے۔ اور فرماتے یہ دونوں پاکیزہ ترین چیزیں ہیں۔ مکھن کے ساتھ بھی آپ نے کھجور ملا کر کھائی ہے۔ بلکہ آپ اسے پسند فرماتے تھے' کبھی کبھار روٹی بھی گھی لگا کر کھا لیتے۔

"احیاء علوم الدین" میں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس کی خدمت میں فالودہ لے کر حاضر ہوئے' آپ نے پوچھا۔ اے ابو عبداللہ! یہ کیا ہے؟ بولے' میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' یہ ہم گھی اور شہد وغیرہ ملا کر ایک خاص قسم کا میٹھا تیار کرتے ہیں' اس میں گیہوں' شہد اور گھی وغیرہ ملا کر خوب پکاتے ہیں' جب اچھی طرح کھدے پڑنے لگتے ہیں تو ہنڈیا اتار کر خوب خلط ملط کر لیتے ہیں (گھونٹ لیتے ہیں) پھر یہ اس حالت میں ہو جاتا ہے' جیسے میں آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں۔

ابو عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے ایک روز حضور اقدس کے لئے ہانڈی تیار کی' آپ کو بونگ کا گوشت بہت مرغوب تھا' اس لئے میں نے ہنڈیا کھول کر بونگ نکال کر پیش کی' آپ نے فرمایا' دوسری بھی نکالو' میں نے ہنڈیا کھول کر دوسری بونگ نکالی' اس کے بعد آپ نے اور طلب فرمائی' میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں' آپ نے فرمایا۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تو بول پڑا' اگر چپ رہتا تو جب تک میں مانگتا رہتا' دیگچی میں سے بونگیں نکلتی رہتیں۔

Marfat.com

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد کیا کہنا چاہیئے

جب حضور اقدس کے آگے دسترخوان بچھایا جاتا تو آپ بسم اللہ پڑھتے' اور فرماتے' اے اللہ! تو اس کھانے کو ہمارے لئے بہترین اور مقبول نعمت بنا دے' اس کے ساتھ جنت کی نعمتیں بھی ہمارے لئے مقدر فرما دے' کبھی کھانا شروع کرنے سے پہلے صرف بسم اللہ پڑھتے' اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں کھانا کھلایا' پانی پلایا' دوسرے لوگوں سے بے نیاز کیا' قناعت کی توفیق بخشی' ہدایت دی اور اپنی اطاعت و فرماں برداری کے لئے چنا۔ کبھی فرماتے۔ اے اللہ تو نے جو کچھ ہمیں عطا کیا' ہم اس پر تیری حمد و سپاس بجا لاتے ہیں۔ جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لئے مخصوص ہیں' ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے' ایسی تعریف جو دکھاوے' اور اوصاف رذیلہ سے پاک ہے' ایسی مبارک تعریف جو نہ چھوڑی جا سکتی ہے' اور نہ جس سے بے نیازی برتی جا سکتی ہے۔ اے اللہ! تو ہمارے شکر و سپاس کو قبول فرما۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ تمام تعریف اس ذات پاک کے لئے ہے' جس نے ہمیں کھلایا' پلایا' اور ہمیں مسلمان پیدا کیا۔ جب نبی علیہ السلام کھاتے یا پیتے تو فرماتے۔ تمام تعریف اس خدا کے لئے جس نے ہمیں کھانا کھلایا' پانی پلایا' پاکیزہ چیزوں کا کھانا' پینا ہمارے لئے جائز کیا' اور اس کے ہضم ہونے اور خارج ہونے کا ذریعہ بنایا۔

نبی علیہ السلام جب کسی کے گھر مہمان ہوتے تو رخصت کے وقت اس سے اجازت لیتے' جب وہ اجازت دیتا تب واپس تشریف لاتے اور میزبان کو یہ دعا دیتے۔ خدا کرے کہ تمہارے یہاں روزہ دار آکر روزہ افطار کریں' تمہارا کھانا' خدا کے نیک اور مقبول بندے کھائیں' اور فرشتے تمہارے حق میں دعائے خیر کریں۔

آپ فرمایا کرتے: جب دسترخوان بچھایا جائے' سب لوگ کھانے میں مشغول ہوں' اگر تم میں سے کسی کا پیٹ بھی بھر جائے تب بھی وہ دسترخوان سے نہ اٹھے'

Marfat.com

یہاں تک کہ دوسرے لوگ بھی فارغ ہو جائیں۔ ایک آدمی کے جلدی اٹھ جانے سے دوسرے ساتھی کو شرمندگی ہوتی ہے کہ لوگ سمجھیں گے یہ بڑا پیٹو ہے' کھائے جا رہا ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ کہتے ہیں: نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندہ سے خوش ہوتے ہیں جو کھانا کھا کر بھی اس کا شکر بجا لاتا ہے' اور کوئی مشروب پی کر بھی اس کی حمد و سپاس کرتا ہے۔

پھل وغیرہ کھانا

نبی علیہ السلام کھجوریں دائیں ہاتھ سے کھاتے' اور تربوز بائیں ہاتھ سے' آپ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے۔ پھلوں کے کھانے میں یہ طریقہ آپ کے نزدیک بہت زیادہ مرغوب تھا' جب آپ کھجور کھاتے تو اس کی گٹھلی پیالہ یا پلیٹ میں ڈال دیتے' آپ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے اور فرماتے۔ تربوز ساتھ ملا کر کھانے سے کھجور کی گرمی کم ہو جاتی ہے۔ آپ تربوز کو روٹی سے یا میٹھا ڈال کر بھی کھا لیتے' اور کبھی کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے اور دونوں ہاتھوں سے کھانے میں مدد لیتے اور کبھی کھجور دائیں ہاتھ سے کھائی اور اس کی گٹھلی بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی' اتنے میں ایک بکری ادھر سے گزری' آپ خود تو کھجوریں دائیں ہاتھ سے کھاتے رہے' اور گٹھلیاں' بائیں ہاتھ سے بکری کو کھلاتے رہے' یہاں تک کہ گٹھلیاں ختم ہو گئیں اور بکری چلی گئی۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے نبی علیہ السلام کو دیکھا۔ آپ خربوزہ اور کھجور ملا کر کھا رہے تھے۔

جب نبی علیہ السلام کی خدمت میں کوئی تازہ پھل' پہلے پہل لایا جاتا تو اسے اظہار شکر کے طور پر آنکھوں سے لگاتے' بوسہ دیتے' اور فرماتے۔ اے اللہ جیسے تو نے موسم کی ابتداء میں یہ پھل ہمیں دکھایا' ایسی ہی آخر میں بھی دکھانا' پھر اگر مجلس میں بچے ہوتے تو آپ پہلے انہیں عنایت فرماتے۔

Marfat.com

مشروبات

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ پینے کی تمام چیزوں میں نبی علیہ السلام کو میٹھی اور ٹھنڈی چیز زیادہ مرغوب تھی' آپ بسا اوقات شہد کو ٹھنڈے پانی میں ملا کر نوش فرماتے۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام' اپنے ایک ساتھی کے ساتھ ایک انصاری کے پاس تشریف لے گئے' سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا' وہ انصاری اپنے باغ میں پانی سینچ رہا تھا' نبی علیہ السلام نے فرمایا' اگر تیرے پاس رات سے کسی برتن میں رکھا ہوا پانی ہے تو وہ پلا' ورنہ ہم ڈول وغیرہ سے منہ لگا کر پانی پی لیں' کہنے لگا۔ میرے پاس برتن میں رات کا رکھا ہوا پانی ہے' یہ کہہ کر وہ اپنے چھپر میں گیا' برتن میں پانی رکھا ہوا تھا' اس نے اسے پھینک دیا' اور اسی برتن میں بکری کا دودھ دوھا' اور آپ کی خدمت میں پینے کے لئے پیش کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی علیہ السلام کے ساتھ حضرت میمونہ کے گھر میں حاضر ہوا' اور ہمارے ساتھ خالد بن ولید بھی تھے' حضرت میمونہ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں' آپ نے نوش فرمایا' میں آپ کے دائیں جانب تھا' اور خالد بائیں جانب' آپ نے دودھ مجھے عطا کیا' اور فرمایا۔ حق تیرا ہے' لیکن اگر تو خالد کو ترجیح دے تو اسے دے دے مگر میں حضور اقدس کے جھوٹے اور بچے ہوئے دودھ میں بھلا کسی اور کو کیسے ترجیح دے سکتا تھا' میں نے خود ہی پی لیا' اس کے بعد حضور نے فرمایا۔ جس کو خدا نے کچھ کھلایا' وہ یہ دعا مانگے۔ اے اللہ! تو ہمیں برکت عطا فرما' اور ہمیں اس سے بہتر کھانا عطا فرما' اور جس کو خدا نے کچھ پلایا' وہ یہ دعا مانگے' اے اللہ! تو ہمارے لئے برکت نازل فرما' اور ہمارے رزق میں فراخی عطا فرما' حضور نے فرمایا۔ دودھ کے سوا اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے کی جگہ دی جا سکے۔

امام قسطلانی "مواہب" میں کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ایک طرف تو روایات میں یہ آتا ہے کہ آپ حضرات کئی کئی وقت

Marfat.com

بھوکے رہتے تھے' کھانے کے لئے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا' کبھی کھجوریں کھا کر گزارہ کر لیا' اور کبھی یہ بھی میسر نہ ہوئیں تو صرف پانی ہی پی لیا' اور دوسری طرف یہ ملتا ہے کہ فلاں صحابی نے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا روزینہ ایک ہی بار دے دیا' آپ نے اپنے چالیس ساتھیوں میں چالیس اونٹ تقسیم فرمائے۔ کہیں یہ ذکر ہے کہ آپ نے عمرہ کے دوران۔ سو اونٹ ذبح کئے' کسی دیہاتی کو بکریوں کا ریوڑ عنایت فرمایا' آپ کے ساتھیوں میں سے بھی بعض ایسے ساتھیوں کے واقعات کثرت سے ملتے ہیں' جو صاحب ثروت تھے۔ مثلاً ابوبکر صدیق' عثمان غنی' اور عبدالرحمان بن عوف وغیرہ' جنھوں نے بہت سے مواقع پر اپنے مال و دولت سے مسلمانوں کی مدد کی تو اگر یہ فراخی' اور وسعت تھی تو پھر کئی کئی روز بھوکا رہنے' مہینہ مہینہ بھر گھر میں چولھا نہ جلنے کے کیا معنی!' اور اگر اتنی تنگدستی تھی کہ کھانے پینے کے لئے بھی کچھ میسر نہ آتا تھا' تو پھر یہ داد و دہش کیسے تھی؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عام آدمی کے ذہن میں الجھن پیدا کرتی ہے' امام طبری نے اس کا جواب دیا ہے۔ "فتح الباری" میں ہے کہ حضور اقدس اور صحابہ کی اپنی جان پر یہ سختیاں اس لئے نہیں تھیں کہ درحقیقت آپ حضرات نان شبینہ سے بھی محتاج' اور عاجز و درماندہ تھے۔ ایسے صحابہ کی تعداد کم تھی جو واقعی انتہائی عسرت اور تنگدستی میں زندگی بسر کرتے تھے' اصل میں حضور اقدس کا' اور صحابہ کرام کا بھوکا پیاسا رہنا' اچھے کھانوں سے گریز کرنا' کبھی کبھار مجبوری کی وجہ سے بھی ہوا' ورنہ عام طور پر آپ اور آپ کے ساتھی بھوک' پیاس کی سختیاں اس لئے برداشت کرتے تھے کہ دوسروں میں ایثار اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہو' دنیاوی مال و منال اور عیش و راحت سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ کیونکہ دنیاوی سازوسامان اور عیش و عشرت انسان کو خدا کی یاد' اور حق کی حمایت سے غافل بنا دیتی ہے۔ (۱۴)

Marfat.com

باب :۷

حوالہ جات

۱۔ صحیح مسلم، سنن ابی داوٗد، بحوالہ شمائل ترمذی۔

۲۔ صحیح بخاری، باب صلوۃ العشاء۔

۳۔ شمائل ترمذی، شمائل رسول۔

۴۔ شمائل ترمذی۔

۵۔ صحیح مسلم، سنن ابی داوٗد، شمائل ترمذی، حضور علیہ السلام کے معمولات حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہیں۔

۶۔ صحیح مسلم، الادب المفرد (باب الجلوس علی السریر)، جامع ترمذی (باب مناقب حسنین)، صحیح بخاری (کتاب الصلوۃ۔

۷۔ القرآن۔

۸۔ سنن ابی داوٗد (کتاب الجہاد)۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ سنن ابی داوٗد (کتاب الجہاد)۔

۱۱۔ ایضاً نیز صحیح مسلم (کتاب الجہاد)۔

۱۲۔ صحیح بخاری (باب وضع الید علی المریض)، ترمذی۔

۱۳۔ سنن ابی داوٗد (کتاب الادب)۔

۱۴۔ کھانے پینے کے آداب و معمولات سے متعلق تمام احادیث شمائل ترمذی، و شمائل رسول (محمد میاں صدیقی) سے لی گئی ہیں۔ وہاں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب : ۸

جہاد فی سبیل اللہ

Marfat.com

Marfat.com

باب: ۸ جہاد فی سبیل اللہ

اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کی اجتماعی کامیابی' اور فوز و فلاح کے دو بنیادی اصول بتائے ہیں۔ پہلا اصول تو یہ ہے کہ ـــــ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے' اور اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے بچنے کا مکمل اہتمام کرنا چاہیے۔ اور دوسرا اصول یہ بتایا کہ اس وحدت کا ہر فرد اللہ کے بھیجے ہوئے نظام کے مطابق اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کر کے اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کو درست کرے۔ ان دو بنیادی اصول اور ہدایت کو اس مختصر فقرے میں بیان کیا ـــــ

یا أیہا الذین آمنو اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ [1]

(اے ایمان والو! اللہ تعالٰی سے ایسا ڈرا کرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے' اور اس حال میں مرنا کہ تم مسلمان ہو)

اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام باتوں سے بچا جائے جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں' اللہ سے ڈرنے کا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ کی پسندیدہ باتوں کے بجا لانے اور اس کی ناپسندیدہ باتوں کو چھوڑنے میں کسی کی پروا نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ـــــ اللہ کی اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت اور ان کی نافرمانی سے بچنے کا نام تقوٰی ہے اور یہی حقیقی اسلام ہے۔

یہ دو اصول بتانے کے بعد یہ ہدایت کی کہ ـــــ اللہ کے بھیجے ہوئے نظام حیات پر فرداً فرداً ہی عمل نہ کریں بلکہ سب مل کر اور متحد و متفق ہو کر اس کو مضبوطی سے تھام لیں تاکہ ملت اسلامیہ کا شیرازہ منظم و مربوط رہے' بکھرنے نہ پائے۔

ان دو اصول میں یہ بتانے کے بعد کہ امت مسلمہ کا ہر فرد ایک خاص انداز سے

Marfat.com

اپنی اصلاح کرے' اور اللہ کے قائم کئے ہوئے سلسلے یعنی اسلام سے وابستہ ہو جائے۔ یہ بتاتے ہیں کہ مسلمان صرف اپنی انفرادی اصلاح پر بس نہ کریں بلکہ اپنے ساتھ اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی بھی فکر کریں تاکہ اصلاح و فلاح کا عمل ایک فرد یا چند افراد تک محدود نہ رہے بلکہ اس عمل میں پورا اسلامی معاشرہ اور پوری قوم شامل ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ——

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر - ۲

(تم میں ایک ایسا گروہ رہنا چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتا رہے' نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیتا رہے' اور برے کاموں سے روکتا رہے)

معروف اور منکر قرآن کی دو بنیادی اصطلاحات ہیں۔ ان کی تعریف مفسرینؒ نے مختلف تعبیرات سے کی ہے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ —— ہر وہ چیز جو شریعت اور عقل کی نگاہ میں پسندیدہ ہو معروف ہے' اور عقل اور شریعت کو جو چیز ناپسندیدہ ہو وہ منکر ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ —— شریعت اور عرف جس چیز کو پسند کریں وہ معروف ہے' جس کو ناپسند کریں وہ منکر ہے۔ مگر ان سے زیادہ جامع غالباً" یہ تعریف ہو گی کہ فطرت انسانی کے نزدیک جو چیز پسندیدہ ہے وہ معروف ہے' اور جو ناپسندیدہ ہے' وہ منکر ہے۔ زیادہ واضح انداز میں اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں جن کے بجا لانے کا اسلام نے حکم دیا ہے معروف ہیں' اور وہ تمام برائیاں جن سے اسلام نے روکا ہے' منکر میں داخل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیم و دعوت' اور اپنی امت کے قیام و بقا کی اساس اول جس اصول کو قرار دیا ہے' اسے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر کرتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں جو قرآنی آیات اور نبی اکرم صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں' اگر ان سب کو ملا کر حکم کے مفہوم و معنی پر غور کریں تو کسی تأمل کے بغیر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ بھلائی کا حکم دینا' اور برائی سے روکنا' امت کے ہر فرد پر لازم ہے۔ البتہ دوسرے شرعی احکام کی طرح اس میں بھی ہر فرد اور طبقے کی قدرت اور استطاعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ قدرت اور ہمت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کسی پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتے۔

کسی وسیع سے وسیع تر معاشرے اور قوم کو اگر تقسیم کریں تو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔

پہلا حصہ ـــــــ فرد ہو گا۔

دوسرا حصہ ـــــــ اھل علم و فضل اور با اثر لوگوں کا ہو گا اور

تیسرا حصہ ـــــــ حکومت اور ارباب اختیار و اقتدار کا ہو گا۔

جب ہم معاشرے کو ان تین حصوں میں تقسیم کرلیں گے تو قرآن حکیم نے اس بارے میں جو تین مختلف طریقے اپنائے ہیں' ان میں پوری طرح تطبیق ہو جائے گی۔ کوئی الجھن اور تضاد باقی نہیں رہے گا۔

قرآن نے جہاں یہ بات کہی کہ بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے تم میں ایک جماعت رہنی چاہیے' اس سے عام طور پر وہ طبقہ مراد لیا گیا ہے' جو مذہبی قیادت کے منصب پر فائز ہیں۔ کیوں کہ وہ معروف و منکر کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور اس فریضہ کو سب سے بہتر طریقہ سے انجام دینے کے اھل ہیں۔ اور جہاں قرآن نے صاحب اقتدار مومنین کے فرائض اور صفات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بیان کیا' وھاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جن مومنین کو اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر قدرت و تمکنت اور حکومت عطا کرے ان کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ ان دو طبقوں کی نشان دہی

Marfat.com

کے بعد قرآن اس فرض اور مشن کے دائرے کو وسیع تر کرتا ہے' اور امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کو اس میں شامل کرتا ہے۔ اور بحیثیت مجموعی پوری امت کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ ـــــ تم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو۔

دنیا میں سب امتوں سے بہتر امت ہونے کی تین بنیادی وجوہ بیان کی گئیں ـــــ اول یہ کہ ـــ تامرون بالمعروف۔ دوسرے لوگوں کو نیکی اور بھلائی کا حکم دیتے ہو' دوسرے۔ تنہون عن المنکر۔ برائی سے روکتے اور منع کرتے ہو۔ اور تیسرے۔ تومنون باللہ۔ اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہو۔ گویا علمی' اور عملی دونوں قوتوں میں کامل بلکہ اکمل ہو۔ تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر میں عملی قوت کے کمال کی طرف اشارہ ہو گیا اور تؤمنون باللہ میں علمی اور اعتقادی قوت کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔

سورہ العصر میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو خسارے سے بچانے کے لئے ایمان کے بعد بنیادی طور پر دو صفتیں بیان کی ہیں۔:

پہلی یہ کہ خود اعمال صالحہ بجا لائے' ان کی پابندی کرے۔ اور دوسری یہ کہ دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرے۔

یعنی آدمی جب ایمان لے آیا اور امت مسلمہ کا ایک فرد بن گیا تو اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ پہلے وہ خود اچھے اعمال پر کاربند ہو اور برے اعمال سے باز رہے' اور پھر اس عمل کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ اس عمل خیر کو دوسروں تک پھیلائے۔ نیکی اور بھلائی چند افراد تک محدود نہ رہے بلکہ اس حد تک وسیع ہو کہ اہل ایمان کا ایسا معاشرہ وجود میں آئے کہ اس کے ہر فرد میں یہ روح جاری و ساری ہو کہ وہ جس حال میں بھی ہو اللہ کا اور اس کے بندوں کا حق ادا کرے۔ اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرے اور برائی کو جس شکل میں ابھرتا ہوا دیکھے اس کا سر کچل دے' اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہو۔ اگر ان میں یہ جذبہ نہ ہو گا وہ خسارے سے نہیں بچ سکیں

Marfat.com

گے' اور پورا معاشرہ زوال پذیر ہو جائے گا۔

قرآن مومنین کی اس صفت پر اتنا زور دیتا ہے کہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں رہتا کہ وہ اس بات کا خواہاں ہے کہ ان میں یہ صفت اتنی گہری' شدید اور نمایاں ہو کہ اس کی اپنی ذات' اور اپنے وجود سے گزر کر دوسروں پر بھی اثر انداز ہو۔ اور ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لے۔

کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ایک وہ چراغ ہے جو صرف خود روشن ہے' روشنی کی صفت سے متصف ہے۔ مگر وہ صفت اتنی کمزور ہے کہ دوسروں تک نہیں پہنچتی۔ دیکھنے والے کو صرف یہ نظر آتا ہے کہ یہ خود روشن ہے' مگر دوسروں کو روشن کرنے سے قاصر ہے۔ اور ایک وہ چراغ ہے جو خود بھی روشن ہے' اور گرد و پیش کو بھی روشن کئے ہوئے ہے۔

جو شخص معروف (نیکی اور بھلائی) پر خود تو عمل کرتا ہے مگر' دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتا' وہ اس چراغ کی طرح ہے جو خود روشن ہے مگر اس کی روشنی اتنی مدھم ہے کہ اپنے گرد و پیش کو روشن نہیں کر سکتی' اور جو شخص خود بھی اچھائیوں اور نیکیوں کو اپناتا ہے اور دوسروں کو بھی انہیں اپنانے کی دعوت دیتا ہے' اور اس راہ میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرتا ہے' وہ اس قندیلِ فروزاں کی طرح ہے جو خود بھی روشن ہے' اور اس نے اپنے پورے ماحول کو بھی روشن اور تاباں کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن مقدس اور برگزیدہ ہستیوں (رسولوں' نبیوں) کو لوگوں کی اصلاح کے لئے دنیا میں بھیجا' انہوں نے امکانی حد تک پند و نصیحت کے ذریعے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اللہ کے حکم ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ (دانائی' اور اچھی نصیحت کے ذریعے لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ)' پر پورا پورا عمل کیا۔ ان کا طریق کار یہ رہا کہ ایک طویل

Marfat.com

عرصے تک وہ انتہائی نرمی کے ساتھ ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے' ان کو سمجھانے کی ہر ممکن تدبیر بروئے کار لائے' اور دعوت و تبلیغ کے راستے میں ان کی طرف سے جو رکاوٹیں ڈالی گئیں' خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ مگر جب انبیاء نصیحت کرتے کرتے تھک گئے' اور ان بدنصیبوں پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی سرکشی اور شرارت بڑھتی گئی اور حق کے پرستاروں کو حق کا پیغام عام کرنا دشوار ہو گیا تب اللہ نے ان پر عذاب نازل کیا' اپنے نام لیواؤں کی مدد کی' انہیں ان کی ایذا رسانیوں سے بچایا' اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہلاک کیا۔ کسی کو غرق کیا' کسی کو زمین میں دھنسایا' کسی پر آسمان سے پتھر برسائے' کسی کو زلزلے کے ذریعے تاخت و تاراج کیا اور بعض کی شکلیں مسخ کر دیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اس صورت حال سے دوچار ہوئے۔ اور ان کی طویل اور صبر آزما دعوتِ حق کا جب کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو انہوں نے ان الفاظ میں اللہ جل شانہ سے شکوہ کیا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ (۴)

(اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو دن اور رات مسلسل تیری طرف بلایا' مگر میرے اس بلانے سے سوائے حق سے بھاگنے کے اور کسی چیز میں

Marfat.com

زیادتی نہ ہوئی۔ میں نے جب بھی انہیں اس خیال سے دعوت حق دی کہ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے تو ان کے گناہوں کو معاف کر دے تو ان لوگوں نے (بجائے اس کے کہ حق کو قبول کرتے) کانوں میں اپنی نفرت کی وجہ سے انگلیاں دے دیں' اور کپڑوں میں لپٹ گئے' اپنی ضد پر اڑے ہے' اور حد سے بڑھ کر سرکشی کی)

اس حقیقت سے سبھی آشنا ہیں کہ اصل عذاب دینے والا اللہ عزیز و غالب ہی ہے۔ لیکن اس عذاب کا ظہور کسی واسطے اور ذریعے سے ہوتا ہے۔ حق کے مخالفوں کو ہلاک کرنے کا ذریعہ کبھی دریا بنے' کبھی ہوا' کبھی بارش' کبھی پتھر اور کبھی فرشتوں کے ذریعے انہیں ہلاک کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوموں کو عذاب دینے کا یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب سے اس کے نبیوں' رسولوں اور نائبین سے بغاوت اور سرکشی کا سلسلہ جاری ہے۔ اور یہ عذاب دینا عین حکمت اور عین مصلحت ہے۔

سرکش اور نافرمان قوموں کو عذاب دینے کا ایک طریقہ تو وہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا اور ایک سلسلہ اس سے مختلف ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ نے انہیں اپنے نبیوں' رسولوں' اور حق کی پیروی کرنے والوں کے ذریعے بھی عذاب دیا۔ جیسا کہ کہا گیا ۔۔ قاتلو ہم یعذبہم اللہ بایدیکم۔ (ان کافروں اور منکرین حق سے جہاد و قتال کرو تاکہ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے)

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ منکرین حق پر جو عذاب بندوں کے ہاتھوں آتا ہے' وہ حقیقت میں اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ بندہ کا ہاتھ اس فعل کا واسطہ اور ذریعہ بنتا ہے۔ اور یہ عذاب جو داعیان حق کے ذریعے منکرین حق پر نازل ہوتا ہے' یہ جہاد کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

Marfat.com

انسانوں کے ہاتھوں جہاد کی شکل میں جس عذاب الٰہی کا ظہور ہوا' وہ حقیقت میں نافرمان قوموں کے لئے ایک قسم کی رحمت ہے۔ کیوں کہ جن قوموں سے اللہ کے نبیوں اور رسولوں نے جہاد کیا' یا قیامت تک حق کے پیروکار جن قوموں سے جہاد کرتے رہیں گے' ان کو سنبھلنے اور حق میں غور و فکر کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے لیکن جن کو ہوا' دریا' پتھر اور فرشتوں کے ذریعے ہلاک کیا گیا' انہیں کوئی مہلت نہیں ملی۔

دنیوی بادشاہوں کا اپنے مخالفوں' اور دشمنوں پر فوج کشی کرنا' کسی کو قتل کرنا' کسی کو قید کرنا' اور کسی کے مال و جائیداد کو ضبط کر کے اسے ملک اور قوم کے وفاداروں میں تقسیم کرنا قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا' بلکہ اسے سیاست' دانائی اور حکومت کی شان و شوکت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح احکم الحاکمین' اور مالک ارض و سماوات سے بغاوت کرنے والوں سے جہاد و قتال کس بناء پر قابل اعتراض گردانا جائے ؟----

اِذنِ جہاد

جہاد کی اجازت کے بارے میں جو آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں' وہ سورۂ حج کی تین آیتیں ہیں۔ ۳۹ تا ۴۰' ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:---

"ایسے لوگوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ جن سے کافر لڑتے ہیں۔ یہ اجازت اس لئے دی گئی کہ یہ لوگ بہت مظلوم ہیں' اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ جن کی مدد' اور فتح و نصرت کا وعدہ کیا جا رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے گھروں سے بلاوجہ نکال دیا گیا ہے' صرف اس لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے' اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتے رہتے تو نصاریٰ کے خلوت خانے' یہودیوں کی عبادت گاہیں' اور مسلمانوں کی

Marfat.com

وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے' سب منہدم ہو گئے ہوتے۔ اور بیشک اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ اور یقیناً اللہ قوت والا' اور غلبہ والا ہے" (الحج' آیہ = ۳۹ - ۴۰)

ان آیتوں میں اللہ تعالٰی نے اجمالی طور پر جہاد کے بعض اغراض و مقاصد ذکر کئے' اور اشارۃً" مخالفوں کے اس شبہ کا جواب دیا جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے جہاد کی اجازت دے کر خون ریزی کا دروازہ کھول دیا۔

اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہاد صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں' پہلے انبیاء میں سے بھی بہت سوں کو جہاد کی اجازت دی گئی' اور اس کی بنیادی حکمت یہ بیان کی گئی کہ اگر حق کے پرستاروں اور داعیوں کو جہاد کی اجازت نہ دی جاتی تو دنیا میں اللہ کا نام لینا دشوار ہو جاتا' اللہ کی بندگی کرنے والوں کی تمام عبادت گاہیں مسمار کر دی جاتیں۔ اس فتنے اور فساد کو روکنے کے لئے اللہ تعالٰی اپنے ماننے والوں کو جہاد کا حکم دیتے رہے' سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۱ میں اسی حکمت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ـــــ

"اگر اللہ بعض لوگوں کے شر اور فساد کا علاج اور سدباب بعض لوگوں کے ہاتھوں نہ کرتا تو تمام زمین میں فساد پھیل جاتا۔ لیکن اللہ جہانوں (اور جہان والوں) پر بہت ہی فضل کرنے والا ہے"

معاشرے میں نیکی اور بھلائی کو عام کرنے' اور بدی کو روکنے کے جو ذرائع اسلام نے اپنے اپنے ماننے والوں کو تلقین کئے' ان کے مطالعے اور تجزیے سے اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں ہے کہ جہاد۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے ـــــ

Marfat.com

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے یعنی طاقت سے دور کرنے کی کوشش کرے' اگر طاقت سے دور کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے دور کرنے کی کوشش کرے' اگر اس کی بھی ہمت اور موقع نہ ہو تو پھر کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دل ہی میں اس کو برا سمجھے" ے

اس بات کو ایک دوسرے انداز اور پیرائے میں یوں بیان فرمایا ــــ

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دو۔ اور بدی سے روکو۔ بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کر دے گا' یا تم پر ایسی لعنت کرے گا جیسی بنی اسرائیل پر کی" ۸

نبی علیہ السلام کے ان ارشادات سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر پند و نصیحت کے ذریعے لوگ معروف پر عمل کرنے اور منکر سے باز آنے پر تیار نہ ہوں' افراد' جماعتوں اور حکومت کے وہ تمام ذرائع جو حکمت و موعظت کے ذیل میں آتے ہیں' بھلائی کو پھیلانے اور قائم کرنے' اور برائی کو روکنے' اور ختم کرنے سے قاصر رہ جائیں تو پھر اسلامی ریاست پر جہاد فرض ہو گا۔

جہاد کے معنی عموماً" قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر یہ اس کا ایک تنگ مفہوم ہے۔ جہاد کا لفظ "جہد" سے نکلا ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں محنت اور کوشش کرنا۔ اسی کے قریب اس کے اصطلاحی معنی بھی ہیں' یعنی حق کی اشاعت' حفاظت اور سربلندی کے لئے ہر قسم کی کوشش کرنا' اپنی تمام جسمانی' مالی اور فکری قوتوں کو کام میں لانا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی' اپنے عزیز و اقارب' اہل و عیال' خاندان اور قوم کی جان تک کو قربان کر دینا' حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی

Marfat.com

کوشش کو توڑنا' اور ان کی کو رائیگاں کرنا' اور اس کے لئے اگر کھلم کھلا جنگ کرنی پڑے تو اس کے لئے بے جھجک اپنے آپ کو تیار رکھنا۔ یہی جہاد ہے۔ بہت بڑی عبادت ہے' زبردست اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ اس کی اہمیت اس حد تک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کی بیعت لیتے تو اس کی بھی بیعت لیتے۔

جو جنگ قوم کے لئے' وطن کے لئے' مادی منفعتوں کے حصول کے لئے اور توسیعِ سلطنت کے لئے کی جائے' اسلام کی زبان میں وہ جہاد نہیں کہلاتی۔ اللہ کے اور اس کے رسول کے وفاداروں کا' اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں اور باغیوں سے جنگ کرنا اسلام کے نزدیک جہاد ہے۔

ہم وطن کافروں کے ساتھ مل کر غیر وطنی کافروں سے بلا لحاظ اسلام محض وطن کی آزادی کے لئے لڑنا بھی جہاد نہیں کہلاتا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا' کہ ـــــ انسان کبھی اظہار شجاعت کے لئے لڑتا ہے' کبھی قومی غیرت و حمیت کی خاطر' اور کبھی مادی اور دنیوی منافع حاصل کرنے کی خاطر۔ ان میں سے کون سی جنگ جہاد کہلائے گی؟ آپ نے فرمایا ـــــ "جو شخص صرف اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا بول بالا ہو (اُسی کا حکم چلے) بس وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے[9]"

اللہ کے نبیوں اور رسولوں نے نہ اپنے ہم وطن کافروں کے ساتھ مل کر کبھی جنگ کی اور نہ ان کے ساتھ مل کر مشترک حکومت بنائی۔ اگر مجبور و مظلوم ہوئے تو اپنے مخلص اور جاں نثار ساتھیوں کو لے کر ہجرت کی' اور اپنی قوم کے کافروں سے الگ ہو کر اپنا ایک مرکز اور ٹھکانہ بنایا۔ اور اگر اللہ نے قدرت عطا کی' اسباب و ذرائع مہیا ہوئے تو جہاد کیا' اور سب سے پہلے اپنی ہی قوم' قبیلے اور خاندان کے

Marfat.com

کافروں سے جہاد کیا- قرآن اس بات کی یوں گواہی دے رہا ہے کہ انبیاء نے پہلے اپنی قوم اور اپنے وطن کے کافروں سے جہاد کیا' غیر قوم کے کافروں سے بعد میں جہاد کیا- جیسا کہ ارشاد ہے---

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ- ؎

(اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب تر ہیں' اور ضروری ہے کہ وہ تمہارے اندر سختی (اور قوت) محسوس کریں-)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و جہادات کی ابتداء اپنی ہی قوم' اور اپنے ہی عزیز و اقارب سے ہوئی تھی- کسی اجنبی اور غیر ملکی قوم سے نہ تھی- غزوۂ بدر میں مہاجرین کے سامنے کسی کا باپ تھا' کسی کا بیٹا' کسی کا ماموں تھا' کسی کا بھانجا' اور کسی کا چچا تھا' کسی کا بھتیجا- عام رشتہ داریاں تو سبھی کی ایک دوسرے کے ساتھ تھیں- مگر اللہ کے' اس کے رسول کے' اور اس کے دین کے لئے تمام صحابہ کی شمشیریں بے نیام تھیں- حق کی محبت تمام محبتوں پر غالب تھی- یہی وہ جہاد ہے' جسے قرآن فی سبیل اللہ سے تعبیر کرتا ہے-

قوم پرستوں کا یہ کہنا کہ ایک ملک اور ایک وطن کے باشندے' ایک قوم ہیں' سراسر فریب ہے- یہ ایک نعرہ ہے جس کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا' اور انہیں تقسیم کرنا ہے- اسلام دشمن قوتوں نے یہ نعرہ اس لئے لگایا تاکہ قرآن اور سیرت رسول نے مسلمانوں کے اندر جو اتحاد و اتفاق پیدا کیا تھا اور انما المؤمنون اخوۃ کا جو تصور ابھارا تھا' اسے پارہ پارہ کیا جائے-

حالاں کہ جن لوگوں نے یہ نعرہ لگایا ان کا اپنا عمل بھی اس کے خلاف ہے- ایک کیمونسٹ' وہ دنیا کے کسی بھی ملک میں رہتا ہو' دوسرے کیمونسٹ کا دوست اور ہمدرد

Marfat.com

ہے' خواہ وہ جغرافیائی طور پر اس سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔ اور جو شخص اس نظریے اور عقیدے میں اس کا مخالف ہے وہ اس کا دشمن ہے اگرچہ وہ اس کا باپ' بیٹا یا استاد ہی کیوں نہ ہو۔

کمیونسٹ' سوشلسٹ' اور سرمایہ دار سب کا عمل اس بات کا گواہ ہے کہ اتحاد کی بنیاد نہ وطن ہے' نہ زبان اور نہ قوم۔ بلکہ اتحاد کی بنیاد صرف عقیدہ' نظریہ ہے۔ اور اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ اتحاد اور اخوت کا مدار عقیدے اور نظریے پر ہے۔ اللہ کو اور اس کے رسول کو ماننے والے سب مسلم ہیں' خواہ دنیا کے کسی حصے میں رہتے ہوں' اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اور انکار کرنے والے کافر ہیں۔ اسی اسلامی عقیدے کی بنیاد پر بلال حبشی' صہیب رومی' اور سلمان فارسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر' عمر' عثمان' اور علی رضی اللہ عنہم کے بھائی' مخلص دوست' ہمدرد و جاں نثار بن گئے۔ اور ابوجہل و ابولہب خونی رشتوں کے باوجود بدترین دشمن قرار پائے۔

جہاد کا وسیع تر مفہوم:

کلمۂ شہادت' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج یہ وہ پانچ ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے لیکن عمارت محض ستونوں کا نام نہیں۔ ستون تو چھت کا سہارا دینے کے لئے ہوتے ہیں۔ اسلام کی عمارت قائم رکھنے کے لئے پانچ ستون ہیں' اور جہاد اس عمارت کی چھت ہے' اس کا سائبان ہے۔ چھت کے بغیر کوئی عمارت نہ مکمل ہوتی ہے' نہ اس میں خوب صورتی پیدا ہوتی ہے' اور نہ رہنے والوں کے لئے راحت اور تحفظ کا ذریعہ بنتی ہے۔ غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عبادات کا مقصد جہاد کی تیاری ہے' یہ ایک طرح مجاہدانہ تربیت کا ایک نصاب ہے' پھر غور و فکر سے ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے وہ یہ کہ ہر عبادت کی ایک معین اور محدود مقدار

Marfat.com

فرض ہے۔ مثلاً نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے' روزہ اور زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ حج پوری زندگی میں ایک بار کرنے کا حکم ہے' نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی کتنی ہی طاقت کیوں نہ ہو مگر فرض یہی ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرو اور سال میں ایک بار رمضان کے روزے رکھو۔ اسی طرح کوئی شخص کتنا ہی مال دار اور صاحب استطاعت کیوں نہ ہو مگر اس پر جو فرض ہے وہ یہی ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرے۔ خواہ وہ ہر سال حج کرنے کی قوت رکھتا ہو۔ لیکن جہاد ایک ایسا فریضۂ حیات ہے جس کے لئے حکم یہ ہے کہ اپنی تمام توانائیاں صرف کر دو۔ اللہ تعالی کا حکم ہے: واعدوا لهم ما استطعتم تم جہاد کی تیاری کرو جتنی بھی تم میں طاقت ہے۔ اسی طرح کے اور بھی ارشادات ہیں جن سے جہاد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے' اور اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی قومی اور اجتماعی سربلندی کا راز جہاد میں پنہاں ہے۔ جب تک وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں گے دنیا میں غالب و سربلند رہیں گے۔ اور کوئی قوم انہیں اپنا محکوم نہیں بنا سکے گا۔

جہاد کی قسمیں:

جہاد کی کوئی ایک مخصوص صورت نہیں ہے۔ قرآن اور سنت نے جہاد کے مختلف طریقوں کی نشان دہی کی ہے۔ جہاد کی ایک تو وہ معروف قسم ہے جس کے بارے میں بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ بس یہی جہاد ہے۔ وہ ہے قتال اور جنگ' یعنی حق کی حمایت کے لئے اللہ کے اور مسلمانوں کے دشمنوں سے جنگ کرنا۔ جہاد کی اس قسم کو قرآن "قتال فی سبیل اللہ" سے تعبیر کرتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جہاد اور قتال دونوں ہم معنی ہیں حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں دونوں لفظ الگ الگ مفہوم و معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے معنی

Marfat.com

ہیں اللہ کی راہ میں ہر قسم کی کوشش بروئے کار لانا۔

اور قتال فی سبیل اللہ کے معنی ہیں اللہ کی راہ میں اللہ کے دشمنوں سے لڑنا' جنگ کرنا' اس فرق کی رو سے یہ نتیجہ نکلا کہ قتال یعنی اللہ کے دشمنوں سے لڑنا یہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

جہاد کی معروف قسموں میں سے ایک قسم تو قتال ہی ہے یعنی اللہ کا حکم نافذ کرنے اور اس کے حکم کی حفاظت کرنے کے لئے اس کے دشمنوں سے مسلح جنگ کرنا۔ قرآن کریم میں اس کی اجازت اور اس کا حکم بہت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

جہاد کی ایک صورت جہاد بالمال بھی ہے۔ قرآن کریم نے جہاد بالمال کی اتنی اہمیت بیان کی کہ جہاں مختلف قسموں کے جہاد کا ذکر کیا وہاں سب سے مقدم جہاد بالمال کو رکھا مثلاً:

انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالكم وانفسكم في سبيل الله۔ یعنی ہلکے ہو کر یا بھاری ہو کر جیسے بھی ممکن ہو نکلو اور اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔

اور یہ حقیقت آج کے دور میں زیادہ واضح ہو گئی کہ جہاد بالمال یقیناً سب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر مالی وسائل نہ ہوں تو جہاد کی تقریباً اکثر صورتوں کو بروئے کار لانا اور ان پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور قتال فی سبیل اللہ جسے اکثر علماء نے جہاد کی سب سے بہتر اور افضل صورت کہا ہے' وہ تو مالی وسائل کے بغیر موجودہ دور میں ممکن ہی نہیں ہے۔

Marfat.com

جہاد کی ایک صورت جہاد بالعلم بھی ہے۔ موجودہ دور میں یہ صورت موثر ترین صورت ہے۔ دنیا کی امیر ترین قومیں اور حکومتیں اپنے نظریات پھیلانے کے لئے علم ہی کو استعمال کر رہی ہیں قرآن مسلمانوں کو جہاد بالعلم کا بھی حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہے:
ولا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہادا کبیرا ۔ اور کافروں کی فرماں برداری نہ کرو۔ اور قرآن کے ذریعے ان سے جہاد کرو۔ علماء نے جہاد بالقرآن سے جہاد بالعلم مراد لیا ہے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: "جہاد بالعلم کو اللہ تعالیٰ نے اتنا اہم قرار دیا کہ اسے جہاد کبیر یعنی بڑے زور کا مقابلہ کہا"۔

ایک اور قسم جہاد کی جہاد بالنفس ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: المجاھد من جاھد نفسہ' یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ اہل دل کی اصطلاح میں یہ جہاد کی سب سے اعلیٰ صورت ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ سے واپسی پر صحابہ سے فرمایا تھا کہ: ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں "تو اس جہاد اکبر سے یہی جہاد مراد تھا۔ کیوں کہ مال کے ذریعہ جو جہاد ہو گا وہ بھی ایک محدود وقت کے لئے ہو گا۔ جہاد بالمال ہو گا وہ بھی مسلسل نہ ہو گا۔ جہاد بالعلم بھی انسان پر اتنا گراں نہ گزرے گا اور اس میں تسلسل نہ ہو گا۔ لیکن نفس کے ساتھ جہاد ہر شخص کو کرنا ہو گا' بلکہ ہر شخص پر لازم ہے اور یہ کبھی کبھار کی بات نہیں یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے' گویا یہ ایسا جہاد ہوا جو مومن کو ہر آن اور ہر لحظہ درپیش ہے۔

جہاد کے حوالہ سے یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ اسلام جہاد کا حکم اس لئے نہیں دیتا کہ ملک اور سلطنت کے حدود وسیع تر کئے جائیں۔ ہم سایہ ملکوں اور قوموں کی آزادی اور خود مختاری کو پامال کیا جائے' کمزور لوگوں پر ظلم و ستم کیا

Marfat.com

جائے۔ جہاد کی ضرورت اور وقت پیش آتی ہے جب مسلمانوں کی جان و مال خطرے میں ہو' دشمن کی نگاہیں ان کی عزت و آبرو پر لگی ہوں' اللہ کی زمین میں فتنہ و فساد پھیلایا جا رہا ہو لوگ عدل و انصاف سے محروم ہو گئے ہوں' انسانی حقوق پامال کئے جا رہے ہوں اور اس وقت جہاد ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے جب دشمنوں کے قدم مسلمانوں کے ملک کی طرف اٹھنے کا ارادہ کریں ان حالات میں جو مسلمان براہ راست جنگ میں شریک ہو سکتے ہیں انہیں جنگ میں شریک ہونا لازم ہو جاتا ہے' جو محاذ جنگ پر نہیں جا سکتا وہ شہروں میں رہ کر مجاہدین کے خاندانوں کی دیکھ بھال کرے' شہری نظم و نسق کو قائم رکھے' افواہیں پھیلانے والوں کا مقابلہ کرے' اگر مالی استطاعت رکھتا ہے تو حکومت اور مجاہدین کی مالی مدد کرے' بولنے اور لکھنے کی صلاحیت اگر اللہ نے عطا کی ہے تو زبان و قلم سے مجاہدین اور اہل وطن کے حوصلے بلند رکھنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔

بہر حال ایک مؤمن کو جہاد کی ہر صورت پر عمل پیرا رہنا چاہیے۔ جس وقت جو صورت پیش آئے وہ اس کے لئے سینہ سپر ہو۔ مؤمن کی پوری زندگی مسلسل جہاد ہے۔

آداب جہاد:

۱) جب جہاد کے لئے گھر سے نکلو تو اللہ کا نام لے کر نکلو۔

۲) اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ نکلو۔

۳) آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔

Marfat.com

۴) مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہو۔ صبر اور تحمل سے کام لو۔

۵) عین معرکۂ قتال میں بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ جس کے لئے جانبازی اور سرفروشی کرنے نکلے ہو ایک لمحہ کے لئے اس سے غفلت نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (ترجمہ) :

اے ایمان والو جب کافروں کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو امور ذیل کی ملحوظ رکھو۔

الف :۔ جہاد میں ثابت قدم رہو۔

ب :۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ اس کے نام کی برکت سے تم کامیاب ہو۔

ج :۔ اور ہر امر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ملحوظ رکھو۔

د :۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

ہ :۔ اور ان کافروں کی طرح مت جاؤ کہ (جو اسی واقعۂ بدر میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا چاہتے ہیں

۶) اپنی کثرت اور سازو سامان پر کبھی مغرور نہ ہو اور قلت سے کبھی گھبراؤ نہیں۔ ہر حال میں خداوند زوالجلال پر اعتماد اور بھروسہ رکھو۔ فتح و نصرت کا مالک صرف اسی کی ذات کو جانو'

۷) اللہ اگر اپنے فضل سے فتح و نصرت عطا فرمائے تو امیر لشکر کو چاہیے کہ مجاہدین کی صفیں قائم کرکے اللہ کا شکر اور اس کی حمد و اور ثنا کرے اور تمام لشکر آمین کہے۔

فتح و نصرت کے بعد بطور فخریہ نہ کہو کہ ہم نے فتح کیا بلکہ اللہ کی طرف منسوب کرو کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو فتح نصیب کی۔

کتا اور گانے بجانے کا سامان ہمراہ نہ ہو۔ جس قافلہ میں یہ چیزیں ہوتی ہیں۔ فرشتے ان کے ہمراہ نہیں ہوتے۔

Marfat.com

اسلامی جہاد کی یہ شان ہے کہ دیکھنے میں مجاہدین کا لشکر ہے اور درپردہ نور السموات والارض کے عاشقوں کا ایک گروہ ہے جو اللہ کے دین کو سربلند کرنے' اور مسلمانوں کو غلبے اور عزت کی زندگی دلانے جا رہا ہے۔[۱۲]

اسلامی جہاد۔ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ کسی دوسری قوم کو غلام بنانے اور اس پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے نہیں ہوتا۔ اس بارے میں قران کی اور جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پڑھنے کے بعد خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' اور امیر المومنین کی ہدایات بھی قابل غور ہیں جو انہوں نے جہاد کے لئے جانے والے لشکر کے امیر کو دیں۔

جیش اسامہ کو روانہ کرتے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایات دیں:
لوگو۔ ! ٹھہر جاؤ میں تم سے کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتا ہوں یہ باتیں میری طرف سے یاد رکھو۔

کسی معاملے میں اور کسی کے ساتھ خیانت نہ کرنا' زیادتی نہ کرنا' دھوکہ نہ دینا' جو لوگ تمہارے مقابل ہوں' ان کے اعضاء نہ کاٹنا' ان کے جسم مسخ نہ کرنا' بچوں' بوڑھوں اور بیماروں پر ہتھیار نہ اٹھانا' عورتوں کی بے حرمتی نہ کرنا' درخت' کھیتیاں اور باغات نہ اجاڑنا' نہ ان میں آگ لگانا' بھیڑ بکریاں گائے اور اونٹ بلاوجہ ذبح نہ کرنا' لوگوں کے گھروں کو اور ان کی املاک کو نقصان نہ پہنچانا جو لوگ اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوں' یا مصروف عبادت ہوں انہیں کچھ نہ کہنا"۔[۱۳]

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عراق میں جنگی کارروائی کے ئے جو اسلامی فوج بھیجی' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر اور سپہ سالار مقرر کیا۔ روانگی کے وقت ان کو یہ نصیحت کی:

Marfat.com

سعد -! میں نے عراق کی جنگ کی امارت تمہیں سونپی ہے' میری یہ نصیحت ہر موقعہ پر یاد رکھنا۔ کہ لڑائی بہت مشکل' جاں گداز' اور صبر آزما مرحلے کا نام ہے۔ اس میں آدمی صرف حق اور سچائی کے ذریعے سرخرو ہوتا ہے۔ اپنی اور اپنے ساتھیوں کو بھی ہمیشہ ملحوظ رکھنا۔ خود بھی اچھے بنو۔ اور اپنے ساتھیوں کی بھلائی کو اچھا بناؤ۔ یاد رکھو۔ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ اچھائی اور خوشی۔ عزت اور کامیابی کی بنیاد صرف "صبر" ہے۔ تمہیں خواہ کسی بھی حال سے گزرنا پڑے۔ اور کوئی بھی مشکل تمہیں پیش آئے' اس پر صبر کرنا"۔ (اتحاد اور صبر مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے) (۴)

نیز آپ نے فرمایا:

"اپنے آپ کو پوری طرح قابو میں رکھو۔ اپنی زبان کو صرف ضرورت کے وقت کھولو۔ اپنے رازوں کی سختی کے ساتھ حفاظت کرو' انہیں دشمن پر ظاہر نہ ہونے دو۔ جو اپنے راز کی حفاظت کرتا ہے' اس کی مثال اس قلعہ بند شخص کی سی ہے جس تک دشمن کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اور جس پر غفلت میں حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جس آدمی نے اپنا راز ظاہر کر دیا وہ گویا اپنے آپ کو محفوظ قلعہ سے باہر لے آیا"۔(۵)

شوقِ شہادت:۔ شہادت کا مفہوم و فلسفہ اور مرتبہ سمجھنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آخر کیوں صحابہؓ اور ان کے بعد کے دور میں مجاہدین شہادت کی تمنا رکھتے تھے۔ دراصل یہ اعزاز ہی اتنا بڑا ہے کہ اس کی چاہت میں مومن کشاں کشاں میدان کی طرف جاتا ہے۔ تاریخ اسلام ایسے ہزاروں ایمان افروز واقعات سے بھری پڑی ہے کہ مسلمان مجاہد شہادت سے ہم کنار ہو کر عظیم مثالیں چھوڑ گئے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص جو ایرانیوں کے خلاف قادسیہ کی جنگ میں مسلمان فوج کے سپہ سالار تھے۔ ایرانی سالار رستم کو خط میں لکھتے ہیں۔ "بے شک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتی ہے جیسا کہ تم شراب کو رکھتے ہو"۔ عروس شہادت سے

Marfat.com

ہم آغوش ہونے والے چند مجاہدوں کے واقعات ذیل میں قلم بند کئے جاتے ہیں۔

(۱) غزوہ احد میں حضرت عبد اللہؓ بن جحش نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے کہا کہ:

آؤ مل کر اپنی اپنی حاجت کے مطابق دعا کریں جب ایک دعا کرے تو دوسرا آمین کہے کیونکہ یہ طریقہ قبولیت دعا کے لئے موزوں ہے۔ دونوں حضرات نے دعا کی حضرت عبداللہؓ کی دعا یہ تھی کہ "اے اللہ کل صبح ایک بہادر سے میرا مقابلہ ہو جو سخت حملہ کرنے والا ہو۔ میں اس پر شدت سے حملہ کروں تو وہ بھی مجھ پر زور دار حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے۔ پھر میرے کان، ناک کاٹ لے جب میں قیامت کو تیرے حضور پیش ہوں تو تو پوچھے کہ عبداللہ تیرے کان کیوں کاٹے گئے میں کہوں باری تعالیٰ تیرے اور تیرے رسول کے راستے میں کاٹے گئے۔ پھر تو کہے یہ سچ ہے"۔ حضرت سعدؓ نے بڑے مضبوط اور بہادر دشمن کو قتل کرنے کی توفیق ملنے کی دعا کی۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی تو دونوں حضرات کی دعائیں قبول ہوئیں۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ عبداللہؓ کے ناک کان ایک دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں"۔

(۲) حضرت عمروؓ بن جموح پاؤں سے لنگڑے تھے۔ گو کہ معذور افراد پر جہاد میں شرکت لازم نہیں لیکن وہ غزوہ احد میں شرکت کے متمنی تھے۔ لوگوں نے لاکھ سمجھایا کہ تمہارے لئے معذوری کے باعث چلنا دشوار ہے لہٰذا اپنا ارادہ ترک کر دو لیکن وہ نہ مانے کیونکہ ان کے دل میں شہادت کا شوق موجزن تھا۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر جنگ میں شرکت کی اجازت چاہی۔ آپ نے بھی سمجھایا کہ تمہارے اوپر جہاد فرض نہیں لیکن ان کی شدید خواہش دیکھ کر حضور نے شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی شوق شہادت پورا ہوا اور حضرت عمروؓ بن جموح اور ان کا ایک بیٹا شہید ہوئے۔ جنگ کے بعد ان کی بیوی ان کی لاش اٹھا کر مدینہ لے جانے کے لئے تشریف لائیں۔ جب ان کے جسد کو اونٹ پر رکھ کر مدینے کا رخ کیا جاتا تو اونٹ اس رُخ چلنے کے بجائے واپس احد کی طرف منہ کر لیتا ان کی بیوی نے حضور اکرم کی خدمت میں ذکر کیا تو آپ نے پوچھا کہ عمروؓ نے گھر سے چلتے ہوئے کچھ کہا تھا؟ ان کی بیوی نے عرض کیا

Marfat.com

کہ انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے اپنے اہل و عیال کی طرف نہ لوٹانا حضور نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے جس کے باعث اونٹ مدینہ کی طرف رخ نہیں کرتا۔ لہٰذا آپؐ نے حضرت عمروؓ بن جموح کو احد میں ہی دفن کرنے کا حکم دیا اور تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عمروؓ لنگڑاتا ہوا جنت میں داخل ہو رہا ہے:۔

(۳) حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل نے جنگ یرموک میں جہاں مسلمانوں اور رومیوں کی تعداد کا تناسب ایک اور پندرہ کا تھا انتہائی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا انہوں نے جب دیکھا کہ لڑائی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا تو اپنے ساتھیوں کو موت کے لئے بیعت کرنے کے لئے پکارا عکرمہؓ کے چار سو ساتھیوں نے شوق شہادت میں عکرمہؓ کی تلوار پر اپنی تلوار رکھ کر موت پر بیعت کی جنگ کے آخری دن عکرمہؓ کی رجمنٹ ایسی بے جگری سے لڑی کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے شمع شہادت کے یہ پروانے اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہلے بلکہ چٹان کی طرح جم گئے۔ گو کہ ان میں سے اکثر نے جام شہادت نوش کیا جن میں عکرمہؓ ضرارؓ سہیلؓ اور حارثؓ جیسے جوانمرد شامل تھے۔ لیکن ان کی استقامت نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا اور رومیوں کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی

(۴) جنگ احد میں مسلمانوں کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ لڑائی میں جب دشمن کا دباؤ بڑھا تو آپ نے ڈٹ کر سامنا کیا۔ ایک کافر نے تلوار سے ان کا ہاتھ کاٹ دیا تاکہ جھنڈا گر جائے اور مسلمانوں کو شکست ہو انہوں نے جھنڈا فوراً دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا ان کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کے بقیہ حصوں کے ساتھ جھنڈے کو اپنے سینے سے چمٹا لیا کہ گرنے نہ پائے۔ اسی اثنا میں ان کو شہید کر دیا گیا اور جھنڈا ان سے دوسرے مجاہد نے تھام لیا اس طرح حضرت مصعبؓ نے آخری سانس تک پرچم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا اور اسی کوشش میں نذر جان خدا کے حضور پیش کر دی۔

Marfat.com

(۵) جنگ قادسیہ میں حضرت خنساؓ نے اپنے چار بیٹوں کو جوش دلا کر جہاد کے لئے بھیجا جب انہیں چاروں بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو کلمہ شکر بجالا کر کہنے لگیں"۔ یہ اللہ کی کیسی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے شہیدوں کی ماں ہونے کا شرف بخشا میں اس کے سایہ رحمت میں اپنے بچوں سے ملوں گی"۔ ذرا غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ چار جگر گوشوں کی شہادت پر یہ الفاظ کہنا کتنے اعلیٰ درجے کے ایمان کی نشاندہی کرتا ہے۔

(۶) حضرت خالدؓ بن ولید جب بستر مرگ پر تھے تو انتہائی حسرت سے کہتے تھے کہ وہ کون سی لڑائی ہے جس میں میں نے حصہ لیا میرے جسم کا کون سا عضو ہے جس پر

تلوار یا نیزے کا زخم نہ ہو۔ میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے لیکن اے کاش مجھے میدان میں شہادت نصیب نہ ہوئی اور آج بستر پر جان دے رہا ہوں۔

میرے والد مرحوم (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) فرمایا کرتے تھے کہ: خالد بن ولید شہید ہو نہیں سکتے تھے "انہیں زبان نبوت و رسالت نے "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کہا تھا اللہ کی تلوار کو کون توڑ سکتا تھا"۔

ان چند ایمان افروز واقعات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جنگ میں مومن کی سب سے بڑی خواہش اعزاز شہادت کا حصول ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بجا کہا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

(جہاد فی سبیل اللہ۔ (طبع: شعبہ تحقیق و تجزیہ پاکستان ملٹری اکاڈیمی کاکول۔ ۱۹۸۹ء۔ ص: ۹۳-۹۶)

Marfat.com

اسلامی جہاد کا ناقابل تسخیر سامان

دنیا اپنے حریف پر غلبہ پانے کے لئے طرح طرح کے سامان اور تدبیریں کرتی ہے اور موجودہ سائنس کی ترقی کے زمانہ میں تو ان سامانوں اور تدبیروں کی کوئی انتہاء نہیں رہی' اسلام بھی ضروری مادی تدبیریں اور سامان جنگ جمع کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ مادی سامان اور تدبیر میں مسلمانوں کو دوسری قوموں پر کوئی خاص امتیاز نہ حاصل ہے نہ ہو سکتا ہے' بلکہ عادہ غیر مسلموں کی ساری ذہنی' فکری توانائی اور سارا زور چونکہ انہی مادی سامانوں میں صرف ہوتا ہے' وہ اس معاملہ میں مسلمانوں سے ہمیشہ آگے ہی رہیں گے' اور تاریخ کے ہر دور میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

البتہ مسلمانوں کے پاس ایک اور ایسی قوت ہے جو ناقابل تسخیر رہی ہے اور دوسری قومیں اس سے عاجز ہیں' وہ ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غیبی امداد' مگر قرآن نے اس تائید ربانی کے حاصل ہونے کی کچھ شرطیں رکھی ہیں' جب بھی مسلمان ان شرطوں کو پورا کرلیں تو اللہ کی نصرت و امداد آتی ہے اور تھوڑی تعداد تھوڑے سامان کو بڑی سے بڑی تعداد اور جنگی سامانوں پر غالب کر دکھاتی ہے۔

اور جب مسلمان خود ان شرطوں کو پورا کرنے میں سستی اور غفلت کریں تو پھر اس امداد و نصرت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں' ایسی حالت میں ہمیں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھنا چاہیے' یہ دوسری بات ہے کہ اللہ جل شانہ اپنے خاص فضل و کرم سے مسلمانوں پر رحم فرمائیں اور بلا شرط بھی اپنی امداد بھیج دیں' جیسا کہ پاکستان پر بھارت کے حملہ کے وقت اس کا مشاہدہ ہوا کہ ہم اور ہماری قوم ان شرطوں پر کسی طرح پوری نہیں اترتی تھی' جن کے ذریعے امداد الٰہی آنی چاہیے مگر اس نے اپنے فضل سے یک بیک ہمارے حالات میں بھی انقلاب پیدا کر کے ہمیں

Marfat.com

صبر و تقویٰ سے قریب کر دیا' اور اپنی امداد کے ایسے معجزے دکھلائے کہ دشمنوں کو بھی اس کا قائل ہونا پڑا۔

امداد الٰہی کے لئے وہ شرطیں کیا ہیں' قرآن کریم کی آیات ذیل میں تلاش کیجئے

۱) یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ [۱۶]

(اے ایمان والو مدد مانگو اللہ سے صبر اور نماز کے ذریعے)

۲) والصٰبرین بالباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ہم المتقون [۱۷]

(نیکو کار وہ لوگ ہیں جو تنگدستی اور بیماری اور دشمنوں سے جہاد کے وقت صبر کرنے والے یعنی ثابت قدم رہنے والے ہیں' یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں)

۳) فقالوا ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین [۱۸]

(جہاد میں نکلنے والوں نے کہا اے ہمارے پروردگار عطا کر دے ہم کو صبر اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کی قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرما)

۴) وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا۔ [۱۹]

(اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی کوئی جنگی تدبیر تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی)

۵) بلی ان تصبروا وتتقوا ویأتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکۃ مسومین۔ [۲۰]

(بلاشبہ اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا' اور دشمن فوراً ہی تم پر ٹوٹ پڑے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشانہ کرنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا)

Marfat.com

۶) وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور۔ [۲۱]

(اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا تو یہی ہمت کے کام ہیں)

۷) یا أیھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ [۲۲]

(اے ایمان والو۔ صبر کرو یعنی ثابت قدم رہو' اور دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھو' اور دل لگائے رہو عبادت میں تاکہ تم فلاح و کامیابی حاصل کرو)

۸) وقال موسٰی لقومہ استعینوا باللہ واصبروا أن الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین [۲۳]

(موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو' بلا شبہ زمین اللہ ہی کی ہے' وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے اس کا وارث و مالک بنا دے؛ اور انجام کار کامیابی تقویٰ شعار لوگوں کی ہی ہے۔)

۹) أنہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجرا المحسنین [۲۴]

(اس لئے کہ جو شخص صبر اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)

قرآن کریم کی یہ نو آیتیں ہیں ان کو پڑھئے اور بار بار پڑھے' ان میں انسان کے تمام اہم مقاصد خصوصاً جہاد اور دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید اور نصرت و امداد حاصل کرنے کا نسخہ بتلایا گیا ہے۔ اس نسخہ کے تین اجزاء آپ کو ان سب آیات میں مشترک نظر آئیں گے۔ صبر' تقویٰ' نماز۔

ان آیات میں یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ ابتدائے آفرینش عالم سے اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے کہ اس کی تائید و نصرت انہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو ایمان کے ساتھ نماز اور صبر و تقویٰ کے پابند ہوں۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی دنوں میں جو چیزیں مسلمانوں کا نشانِ امتیاز تھیں وہ نماز

Marfat.com

اور صبر و تقویٰ تھیں' اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر میدان میں فتح مبین اور کامیابی عطا فرمائی' آج بھی اگر ہم ان اصول پر کاربند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی امداد ہم سے کچھ دور نہیں' حقیقت یہ ہے کہ ---

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

جہاد کی تیاری اور سامان جنگ کی فراہمی فرض ہے۔

صبر و تقویٰ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان و توکل تو مسلمانوں کی اصل اور ناقابل تسخیر طاقت ہے ہی' اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مقام کے مناسب اسلحہ اور سامانِ جنگ بھی جمع کیا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے---

واعدولهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم۔

(اور تیار کرو تم دشمن کے لئے جتنا بھی تم کر سکو سامان جنگ اور سدھے ہوئے گھوڑے تاکہ دھاک بٹھا سکو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر)

رسول کریم صلی اللہ وسلم نے ہمیشہ جنگی مشقوں کا اہتمام فرمایا۔ اس زمانہ میں جنگ کے جو ہتھیار تھے ان کو جمع کرنے کی ہدایتیں فرمائیں۔ جہاد کے لئے گھوڑے' اونٹ' زرہ' بکتر وغیرہ جمع فرمائے' تیر اندازی اور نشانہ بازی کی مشق کے لئے ہدایت فرمائی۔

صحابہ کرام نے سامان جنگ کی صنعت سیکھنے کے لئے دوسرے ملکوں کا سفر کیا

ابن کثیر نے اپنی تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ میں غزوۂ حنین کے تحت نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی حضرت عروۃ بن مسعود اور غیلان

Marfat.com

بن اسلم اس جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لئے شرکت نہیں کر سکے کہ وہ بعض جنگی اسلحہ اور سامانوں کی صنعت سیکھنے کے لئے دمشق کے مشہور صنعتی شہر جرش میں اس لئے گئے ہوئے تھے کہ وہاں دبابہ اور ضبور کی وہ جنگی گاڑیاں بنائی جاتی تھیں جن سے اس وقت آج کل کے ٹینکوں جیسا کام لیا جاتا تھا' اسی طرح منجنیق کا وہ آلہ جس سے بھاری بھاری پتھر قلعوں پر پھینک کر قلعہ شکن توپوں کا کام لیا جاتا تھا' اس کی صنعت بھی وہاں تھی' یہ صنعتیں سیکھنے کے لئے انہوں نے ملک شام کا سفر اختیار کیا تھا۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ملک کو جنگی اسلحہ اور سامان کے لئے خود کفیل بنائیں' دوسروں کے محتاج نہ رہیں' ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ جنگی گاڑیاں اور منجنیق وہاں سے خرید کر درآمد کرلی جاتیں' مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام نے اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود اپنے یہاں ان کے تیار کرنے کی تدبیر اختیار فرمائی۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر پورا غور کریں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وہ روحانی اور باطنی طاقت اور نصرت حاصل تھی جس کے ہوتے ہوئے مادی سامان کی چنداں ضرورت نہیں تھی' مگر پھر بھی آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا' تو ہم جیسے گناہگار اور کمزور ایمان والوں کو تو اس کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ موجودہ زمانہ میں جنگ کے لئے جس طرح کا اسلحہ اور سازوسامان استعمال ہو رہا ہے' ہم اس میں کسی سے پیچھے نہ رہیں اور ہمہ وقت اس کوشش میں لگے رہیں کہ کم سے کم مدت میں ان چیزوں میں خود کفالت اختیار کریں۔

Marfat.com

رباط یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت

جہاد ہی کی مہمات میں سے ایک کام اسلامی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار سے محفوظ رکھنا ہے' جس کو قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "رباط" کہا جاتا ہے اور جہاد کی طرح اس کے بھی بڑے فضائل قرآن و حدیث میں مذکور ہیں' صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دے کر اسلامی سرحدات پر قیام اختیار فرمایا تھا۔

آج کل یہ فرائض ہماری رینجرس پولیس انجام دیتی ہے' اگر نیت میں اخلاص اور اسلامی ملک کی حفاظت کا جذبہ ہو تو تنخواہ لینے کے باوجود یہ رباط کی حفاظت کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:
"ایک دن اللہ کی راہ میں رباط کی خدمت انجام دینا ایک مہینہ کے مسلسل روزے اور شب بیداری سے افضل ہے' اور اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو جو نیک عمل یہ کیا کرتا تھا وہ مسلسل اس کے نامۂ اعمال میں مرنے کے بعد بھی لکھے جاتے رہیں گے اور قبر کے سوال و جواب اور عذاب سے محفوظ رہے گا"۔[۲۶]

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ شخص قیامت کے روز شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور قیامت کے ہولناک حالات میں بھی اس کو اطمینان ہو گا۔[۲۷]

رباط کا مفہوم اسلامی سرحدات کی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام انہی مقامات پر ہو سکتا ہے۔ جو اسلامی ملک کی آخری حدود پر واقع ہوں۔

لیکن اس زمانہ کی فضائی جنگ نے اس معاملہ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے' کیونکہ چھاتہ بردار فوج ہر جگہ اتر سکتی ہے' بمبار طیاروں سے ہر جگہ بم گرائے جا

Marfat.com

سکتے ہیں۔ اس لئے جن مقامات پر بھی دشمن کی ایسی یورش کا خطرہ ہو ان کے حفاظتی انتظامات بھی اسی رباط کے حکم میں داخل ہوں گے۔

قدیم فقہاء نے بھی رباط کے معاملہ میں یہ لکھا ہے کہ جس بستی پر ایک مرتبہ دشمن حملہ کر دے اس کی حفاظت چالیس سال تک رباط کے حکم میں داخل ہے۔[۲۸]

جہاد پاکستان میں سرگودھا، پشاور، کراچی، لاہور وغیرہ مقامات جہاں چھاتہ بردار فوجیں اترنے کے خطرات پائے گئے اور جہاں دشمن کے بمباروں نے بمباری کی ان کی حفاظت کا ہر قدم رباط کے حکم میں ہے۔

یہ ایسا جہاد ہے جس میں ہر شہری اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بھی رباط کا ثواب حاصل کر سکتا ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اپنے شہر اور شہریوں کی حفاظت کا جذبہ رکھتا ہو اور مقدور بھر اس میں کوشش کرے۔

بلیک آؤٹ بھی رباط کے حکم میں ہے۔

جنگی خطرات کے وقت جن بستیوں میں حکومت کی طرف سے اندھیرا جاری رکھنے کی ہدایات جاری ہوں ان کی تعمیل بھی انہی حفاظتی انتظامات کے تحت رباط کے حکم میں داخل ہو کر ان شاء اللہ اس ثواب عظیم کا موجب ہو گی، مسلمان اس سے پریشان نہ ہوں، بلکہ مفت کا ثواب رباط حاصل کرنے پر خوش ہوں اور شکر ادا کریں۔

عہد رسالت میں بلیک آؤٹ کی ایک مثال

جنگی حالات اور ان کے تقاضے ہر زمانہ اور ہر ملک میں جدا ہوتے ہیں، فوج اور ارباب حکومت جس چیز کو شہری دفاع کے لئے ضروری قرار دیں، اس کی تعمیل شرعی حیثیت سے بھی ضروری ہو جاتی ہے، خواہ اس معین چیز کا ثبوت عہد رسالت اور عہد

Marfat.com

صحابہ میں ہو یا نہ ہو' کیونکہ بنیادی مسئلہ جائز کاموں میں اطاعت امیر کا ہے' اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے' لیکن کوئی خاص کام اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم' اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی منقول ہو تو اس کا محبوب اور پسندیدہ ہونا ظاہر ہے۔

دوران جنگ میں پاکستان میں شہری دفاع کے لئے حکومت نے رات کو روشنی کرنے پر پابندی لگا رکھی تھی' اطاعت حکم کے تحت تو اس کی تعمیل ضروری تھی ہی' اتفاق سے اس کی ایک مثال خود عہد رسالت میں بھی ملتی ہے جو ناظرین کی دلچسپی اور ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

جمادی الثانی سنہ ۸ ھ میں جہاد کے لئے ایک لشکر مدینہ طیبہ سے دس منزل کے فاصلہ پر لخم و جذام کے قبائل کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا' اس کے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے' اس غزوہ میں دشمن کے سپاہیوں نے پوری فوج کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا' تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے' اسی لئے یہ غزوۂ ذات السلاسل کے نام سے موسوم ہے۔ (یاد رہے کہ جنگ ذات السلاسل کے نام سے جو مشہور جنگ ہوئی وہ دور خلفائے راشدین میں اس کے بعد ہوئی ہے)

اس غزوۂ ذات السلاسل میں امیر لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ لشکر گاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی قسم کی روشنی نہ کی جائے اور نہ ہی کوئی آگ جلائے۔

تین دن کے بعد دشمن میدان سے بھاگ کھڑا ہوا' بھاگتے ہوئے دشمن کا صحابۂ کرام نے جو لشکر میں موجود تھے تعاقب کرنا چاہا' مگر امیر لشکر حضرت عمرو بن العاص

Marfat.com

رضی اللہ عنہ نے تعاقب سے بھی منع کر دیا۔ لشکر کے جانبازوں کو روشنی بند کرنے کے حکم ہی سے ناگواری تھی کہ تعاقب نہ کرنے کا حکم اور بھی ناگوار گزرا' مگر امیر کی اطاعت کی بنا پر تعمیل لازمی تھی' اس لئے ان دونوں احکام کی بلاچون و چرا پابندی کی گئی' البتہ جب لشکر مدینہ طیبہ واپس پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی گئی' آپ نے حضرت عمرو بن العاص کو بلا کر وجہ دریافت فرمائی۔

حضرت عمرو بن العاص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھی' اس لئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کی قلت تعداد کا اندازہ لگا کر دشمن کے حوصلے بڑھ جائیں۔ اور تعاقب کرنے سے بھی اس لئے روکا کہ ان کی تعداد دشمن کے سامنے آجائے گی تو کہیں وہ پلٹ کر ان پر حملہ نہ کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس جنگی تدبیر کو پسند فرمایا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ [۲۹]

متفرق مسائل:

۱) یہ ضروری نہیں کہ شہر کا حاکم و امیر جو اعلان جہاد کرے' متقی' پرہیزگار یا عالم ہی ہو' جو بھی مسلمان حاکم ہو' جب ایسے حکم عام کی ضرورت محسوس کرے یہ حکم دے سکتا ہے' اور سب مسلمانوں کو اس کا یہ حکم ماننا فرض ہے [۳۰]

اس میں شبہ نہیں کہ امیر جہاد کا عالم و متقی ہونا بہت بڑی نعمت ہے' اور فتح کا بہت بڑا سامان ہے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی کو امیر جہاد مقرر فرماتے تو اس کو نصیحت فرماتے تھے کہ خود بھی تقویٰ اختیار کریں اور اپنے سپاہیوں کو بھی اس کی تلقین کریں' اور یہی مسلمان کا وہ اصلی جوہر ہے جو دنیا کی کسی طاقت سے مغلوب نہیں ہوتا' یہ سب کچھ ہے مگر عمل جہاد کے لئے شرط نہیں۔

Marfat.com

جہاد ہر مسلمان امیر و حاکم کے ساتھ ضروری اور اس کے جائز احکام کی تعمیل واجب ہے۔

۲) جہاد جب فرض کفایہ ہو تو بیٹے کو ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں' کیونکہ ان کی خدمت و اطاعت فرض عین ہے' وہ فرض کفایہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر جہاد کے کام میں لگنا جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں' البتہ اگر دشمن کے شدید حملہ کی وجہ سے مسلمان حاکم وقت سب کو جہاد میں شریک ہونے کا حکم جاری کر دے' اور جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر بیٹا ماں باپ کی اجازت کے بغیر' عورت شوہر کی اجازت کے بغیر بھی اپنے اس فرض کو ادا کرے۔

۳) میدان جہاد سے بھاگنا انتہائی سخت گناہ اور غضب الٰہی کا سبب ہے' قرآن کریم میں ہے ---

"یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار" [۴۱]

(اے ایمان والو جنگ میں کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو تم ان سے پشت نہ پھیرو)

اور فرمایا ----

ومن یولھم یومئذ دبرہ فقد باء بغضب من اللہ۔ [۴۲]

(اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری تو اللہ کا غضب لے کر لوٹا)

۴) ہاں اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ مجاہدین کو حالات سے اس کا پورا اندازہ ہو جائے کہ اگر ہم اس وقت لڑیں گے تو ہم سب فنا ہو جائیں گے اور دشمن کو

Marfat.com

نقصان نہ پہنچا سکیں گے' ایسے وقت ان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے کمک حاصل کرنے اور تیاری کے بعد لڑنے کی نیت سے اس وقت میدان چھوڑ دیں' اور پھر دوسرے مسلمانوں کی امداد اور سامان کی تیاری کے ساتھ دوبارہ مقابلہ پر جائیں' اس کا مدار مجاہدین کی تعداد اور سامان کی کمی یا زیادتی پر نہیں بلکہ محاذِ جنگ کے مجموعی حالات اور تجربے ہی سے اس کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مقام پر لڑنا مفید ہے یا پیچھے ہٹنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی تدبیروں کے لئے یا دوسرے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنے کی خاص حالات میں اجازت دی گئی ہے جب کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ دوبارہ حملہ کرنا ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ ارشاد ہے۔

"ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین فان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا" ۶۵

(اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم سو ہو تو ہزار پر غالب آجاؤ گے)

یہ آیت منسوخ نہیں' آج بھی ایسا ہو سکتا ہے' چنانچہ پاکستان کے جہاد ۶۵ء میں خصوصاً لاہور کے محاذ پر تو اس کا ایسا مشاہدہ ہوا کہ دشمن کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کی بہت تھوڑی سی تعداد نے دشمن کی ٹڈی دل فوج کا حملہ روکا اور اس پر فتح پائی۔

اگر اس کا امکان غالب نظر آئے کہ تھوڑی تعداد یا کم سامان کے باوجود مسلمان غالب آسکتے ہیں تو محض تعداد کی کمی کی وجہ سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں ہو گا۔

Marfat.com

۵) جو عورتیں' بوڑھے یا بچے جنگ میں جاسوسی کا کام کریں' یا دوسرے طریقوں سے جنگ میں حصہ لیں' ان کو حالت جنگ میں قتل کیا جائے گا' تاکہ ان کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔

لیکن اگر بچے قید ہو جائیں تو قید ہونے کے بعد ان کا قتل کرنا جائز نہیں' خواہ انہوں نے جنگ میں کھلے طور پر حصہ بھی لیا ہو' کیونکہ گرفتار کرنے کے بعد ان سے کوئی خطرہ نہیں رہا' اب اگر قتل کیا جائے تو ان کے پچھلے عمل کی سزا میں قتل کیا جائے گا اور بچوں پر سزا جاری کرنا شرعا جائز نہیں۔

۶) جہاد میں اگر کسی مسلمان کا کافر باپ سامنے آجائے تو جب تک وہ حملہ نہ کرے بیٹے کو اس پر حملہ کرنا جائز نہیں' کیونکہ قرآن کریم کی ہدایت یہ ہے کہ دنیا میں کافر ماں باپ کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو ان کی خدمت و خبرگیری کرو' اس لئے جہاد کے وقت بھی ابتدا میں ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کافر باپ کے قتل کی اجازت مانگی' تو آپ نے منع فرما دیا' البتہ اگر باپ ہی بیٹے پر حملہ کر دے اور اس کے حملہ سے اپنی جان بچانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ باپ کو قتل کرے تو اس کو اپنی حفاظت کرنا چاہیے' خواہ اس میں باپ کا قتل ہی واقع ہو جائے' مگر یہ باپ کو قتل کرنے کا ارادہ نہ کرے۔

۷) جہاد میں جانے کے وقت اپنے ساتھ قرآن کریم تلاوت کے لئے لے جانا ایسی صورت میں جائز ہے جب کہ مسلمانوں کی قوت مستحکم و مضبوط ہو' شہید یا قید ہو جانے کا خطرہ کم ہو' اور جہاں یہ خطرہ قوی ہو تو قرآن کو اپنے ساتھ نہ رکھے' اس میں بے ادبی کا خطرہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی زمین میں قرآن کریم لے جانے کو جو منع فرمایا ہے وہ ایسی ہی حالت سے متعلق ہے۔

Marfat.com

۸) جنگی قیدی جو مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں ان کو بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف دینا جائز نہیں۔

۹) کافر قیدیوں سے اپنے مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کر لینا جائز ہے۔

۱۰) جہاد میں جن لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے' ان کا بھی مثلہ کرنا یعنی ناک' کان وغیرہ کاٹنا جائز نہیں' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۱۱) ضرورت پیش آئے تو دشمن کے درختوں' کھیتوں کو کاٹ کر یا جلا کر تباہ کر دینا بھی جائز ہے۔

۱۲) دشمن قلعہ بند ہو جائے یا کسی محفوظ مکان میں داخل ہو کر دروازے بند کر لے تو اس کو ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کر لینے کی دعوت دی جائے' اس کو نہ مانے تو آگ لگا کر یا پانی میں غرق کر کے یا دوسرے طریقوں سے قلعہ اور مکان کو منہدم کر دینا بھی جائز ہے۔

۱۳) دشمن اگر قلعہ بند ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ دشمن کے ملازموں میں کچھ مسلمان بھی ہیں تو ان کی وجہ سے دشمن کے مقابلہ میں کوئی رعایت نہ کی جائے گی' البتہ اگر مسلمان کو بچا سکتے ہیں تو بچانے کی فکر کریں' ورنہ دشمن کو تباہ کرنے کے قصد سے گولہ باری کریں' جو مسلمان اس کی زد میں بلا اختیار آجائیں وہ معاف ہے' کیونکہ کافروں کا کوئی شہر' اور بستی اس سے خالی نہیں ہوتی کہ کوئی مسلمان قیدی یا ملازم وغیرہ ان کے پاس نہ ہوں' اگر ان کی رعایت سے دشمن کا مقابلہ چھوڑ دیا جائے' تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔

۱۴) یہی صورت اس وقت بھی کی جائے گی جب کہ دشمن اپنے آپ کو بچانے کے لئے مسلمان قیدیوں یا بچوں کو آگے کر دے' اس وقت بھی اگر مسلمانوں کو بچانے

Marfat.com

کی کوئی صورت نہ رہے تو دشمن پر حملہ کی نیت سے مقابلہ کیا جائے اور جو مسلمان اس کی زد میں آجائیں انہیں قتل کر دینا جائز ہے۔

۱۵) عین حالت جنگ و قتال میں بھی ایسے کافروں کو قتل کرنا جائز نہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے' مثلاً چھوٹے بچے' عورتیں' بوڑھے' اپاہج' اندھے' دیوانے' مندروں اور عبادت خانوں میں مشغول عبادت کرنے والے بشرطیکہ وہ جنگ میں حصہ نہ لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میدان جنگ میں کسی کافر عورت کو مقتول پایا تو بہت افسوس کے ساتھ فرما کر فرمایا کہ یہ تو جنگ کرنے والی نہ تھی' اس کو کیوں قتل کیا گیا۔ [۴۷]

Marfat.com

باب : ۸

حواشی و حوالہ جات

۱: القرآن : ۳ (آل عمران)، ۱۰۲

۲: القرآن : ۳ (آل عمران)، ۱۰۴

۳: سورہ العصر قرآن کریم کی آیت نمبر۱۰۳ ہے۔ مختصر سورت ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے : قسم ہے زمانے کی، انسان بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔

۴: القرآن : ۷۱ (نوح)، ۵-۷

۵: القرآن : ۲۲ (الحج)، ۳۹، ۴۰

۶: القرآن : ۲۲ (الحج)، ۴۰

۷: جامع ترمذی، سنن ابی داؤد

۸: ایضاً۔ ابن ماجہ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

۹: صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد، صحیح مسلم۔ نیز دیکھئے : سیرۃ المصطفیٰ (مولانا محمد ادریس کاندھلوی)، جلد :۲، ص : ۱۸

۱۰: القرآن : ۹ (التوبہ)، ۳۳

۱۱: القرآن : ۲۵ (الفرقان)، ۵۲

۱۲: یہ ہدایات سورہ انفال کی آیات نمبر : ۴۵، ۴۶ سے ماخوذ ہیں

۱۳: الکامل لابن اثیر۔ جلد : ۲، ص : ۱۴۲

۱۴: تاریخ طبری۔ جلد : ۴، ص : ۸۵

۱۵: ایضاً"۔ جلد : ۴، ص : ۸۴

Marfat.com

١٦: القرآن: ٢ (البقرہ)' ١٥٣

١٧: القرآن: ٢ (البقرہ)' ١٧٧

١٨: القرآن: ٢ (البقرہ)' ٢٥٠

١٩: القرآن: ٣ (آل عمران)' ٢٠٠

٢٠: القرآن: ٣ (آل عمران)' ٢٥

٢١: القرآن: ٣ (آل عمران)' ١٨٦

٢٢: القرآن: ٣ (ال عمران)' ٢٠٠

٢٣: القرآن: ٧ (الاعراف)' ٢٨

٢٤: القرآن: ١٢ (یوسف)' ٩٠

٢٥: القرآن: ٨ (الانفال)' ٦٠

٢٦: بحوالہ- جہاد (مفتی محمد شفیع)- ص: ٥٦' ٥٧-

٢٧: ایضاً"-

٢٨: فتح القدیر (شرح ہدایہ)' جلد: ٤' ص: ٢٧٨

٢٩: جمع الفوائد- جلد: ٢' ص: ٢٧

٣٠: فتح القدیر- جلد: ٤' ص: ٢٨٠

٣١: القرآن: ٨ (الانفال)' ١٥

٣٢: القرآن: ٨ (الانفال)' ١٦

٣٣: القران: ٨ (الانفال)' ٦٥

٣٤: جہاد سے متعلق یہ مسائل فقہ کی معروف و مستند کتابوں مثلاً ہدایہ' بدائع الصنائع وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں- مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے اپنے رسالہ "جہاد" میں بھی ان کا خلاصہ درج کیا ہے-

Marfat.com

مزید تفصیل کے لئے مطالعہ کیجئے:

غزواتِ رسولؐ	بریگیڈیر گلزار احمد
جلال مصطفیٰ	امیر افضل خاں
حدیثِ دفاع	میجر جنرل اکبر خاں
جہاد	مفتی محمد شفیع

Marfat.com

باب : ۹

نصرتِ الٰہی کے تقاضے

Marfat.com

Marfat.com

باب: ۹

نصرتِ الٰہی کے تقاضے

دنیا کا کوئی بھی بڑا کام ہو' اسے انجام دینے کے لئے کچھ اصول اور ضابطے مقرر ہوتے ہیں۔ انہیں اپنائے بغیر کسی بھی مہم کی کامیابی ممکن نہیں ہوتی۔ انسان جو مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بھی کچھ طور طریقے اور بندھے ٹکے ضابطے ہوتے ہیں' انہیں اختیار کرتا ہے تو اپنے مطلوبہ مقاصد تک پہنچتا ہے۔ اصول اور قواعد و ضوابط کی حیثیت ایک سیڑھی کی سی ہے۔ اگر زینہ اور سیڑھی نہ ہو تو آدمی کسی بلند و بالا عمارت پر نہیں چڑھ سکتا۔

دنیا میں اللہ کے دین اسلام کو جو لوگ مانتے ہیں' اس پر ایمان لاتے ہیں' انہیں دنیا میں بلندی اور سرفرازی عطا کرنے کے کچھ قاعدے ضابطے اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ وہ دنیا میں کس طرز عمل کو اپنا کر غلبہ اور اقتدار حاصل کر سکتے ہیں' اور اس دنیوی غلبے اور اقتدار کے ذریعے اللہ کے آخری دین کی حفاظت اور خدمت کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔

اس مقصد کے حصول کی سب سے پہلی اور بنیادی شرط ایمان اور عمل صالح قرار دی۔

ایمان سے مراد اللہ پر ایمان اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ' اس کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان' یوم آخرت پر ایمان' اور اللہ کی بھیجی ہوئی تمام صداقتوں پر ایمان۔

ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ یہ عقیدے اور نظریے کی بات ہے' عقلی اور منطقی بات ہے کہ اس کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔ دوسروں کو کیسے معلوم ہو کہ فلاں

Marfat.com

شخص مومن ہے۔ اس لئے اعمال صالحہ کی قید لگائی۔ عمل صالح' یا اعمال صالحہ یہ قرآن حکیم کی ایک اصطلاح ہے۔ ہر وہ حکم جو اللہ نے یا اس کے رسول نے دیا ہے' وہ عمل صالح ہے۔

جو لوگ ایمان لائے انہوں نے نیک عمل کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے تین وعدے کئے۔ سورہ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں کہا گیا: وعد اللہ الذی آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم' فلیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا۔ (تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے' اور انہوں نے نیک عمل کئے' ان سے اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں حکومت اور اقتدار عطا کرے گا' جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جو دین ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اسے مضبوط بنا دے گا' اور ان کے خوف کو امن اور طمانینت سے بدل دے گا)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو تین وعدے کئے وہ ان لوگوں سے ہیں جو ان آیات کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے۔ یعنی صحابہ کرام سے اور ایمان اور عمل صالح سے آراستہ تھے۔

یہ تین وعدے یہ تھے:

ا: دنیوی زندگی میں غلبہ و اقتدار۔ اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پورا جزیرۃ العرب اور یمن کا علاقہ فتح ہوا۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین ہوئے۔ ان کے سوا دو سالہ مختصر دور خلافت میں اسلامی ریاست میں اضافہ ہوا' عراق اور شام کے کچھ علاقے فتح ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے' ان کے ساڑھے دس سالہ دور حکومت میں عراق و شام کی فتح مکمل ہوئی' مصر اور ایران فتح ہوئے اسلامی ریاست کو اتنا استحکام نصیب ہوا کہ دنیا کی کوئی حکومت اور قوم ایسی نہ رہی جو مسلمانوں پر پیش قدمی کی جرأت کر سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ امیرالمومنین بنے۔ ان کا دور حکومت و خلافت بارہ دن کم بارہ برس رہا' ان کے دور میں اسلامی ریاست کا دائرہ ایک طرف افغانستان اور وسطی ایشیا تک پھیل گیا' اور دوسری طرف افریقہ میں شمال مغرب تک جا پہنچا۔ اور خلافت عثمانی میں نبی علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ : مجھے روئے زمین کے مشرق و مغرب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں' اور میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچے گی"۔

۲ : دوسرا وعدہ غلبہ دین کا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دین تمہارے لئے پسند کیا ہے' اسے اتنا مضبوط اور مستحکم بنا دیں گے کہ نہ کوئی علمی طور پر اسے مغلوب کر سکے گا اور نہ مادی طور پر چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ دوسری صدی ہجری میں اسلام کے حوالہ سے اتنے علوم وجود میں آئے کہ دنیا کی کوئی قوم اپنے مذہب' عقیدے اور نظریے کے دفاع اور حفاظت کے لئے اتنے علوم ایجاد نہیں کر سکی۔ کسی فرد' طبقے یا قوم میں یہ قدرت نہیں کہ وہ دلیل و برہان کے ذریعے اللہ کے اس پسندیدہ دین۔ اسلام کی حقانیت کو مجروح کر سکے۔

ایمان اور عمل صالح کے حامل افراد کے ذریعہ اللہ نے اپنا یہ وعدہ بھی پورا کیا۔

۳ : تیسرا وعدہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ابتدائی عرصے میں اہل ایمان کے دلوں میں اپنے اور اللہ کے دشمنوں کا جو خوف تھا' اسے امن اور سکون و اطمینان سے بدل دیں گے۔ یہ وعدہ ایک حد تک حضور علیہ السلام کی زندگی ہی میں پورا ہوا' غزوۂ احزاب کے بعد مسلمانوں کو مادی طور پر اپنے دشمنوں پر برتری حاصل ہو گئی۔ اور حضور علیہ السلام کے خلفاء کے دور میں تو صورت حال یہ ہوئی کہ کسی قوم کے لئے یہ تصور بھی ممکن نہ رہا کہ وہ مسلم امہ' یا اسلامی ریاست کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔

اللہ کے یہ تینوں وعدے کس بنیاد پر پورے ہوئے۔؟ ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر۔ اور امت مسلمہ کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ وہ جب بھی ایمان اور عمل صالح

Marfat.com

سے مسلح ہوئی اللہ نے اسے ہر طرح عزت' غلبہ' اور سربلندی عطا کی۔

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو کامیابی' سربلندی' اور فتح و نصرت کا ایک نسخہ کیمیا بتایا' اور کہا کہ اگر اس کا اہتمام رکھو گے تو دنیا میں ہمیشہ سربلند رہو گے' اور کوئی قوم تمہیں مغلوب نہیں کر سکے گی۔

فرمایا: واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ۔ (اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو' اور ٹکڑے ٹکڑے مت ہو' یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا ۔ (اے ایمان والو۔ صبر کرو' دشمنوں کے مقابلے میں چوکس اور تیار رہو)۔

گویا اس نسخہ کے تین اجزاء ہیں:

۱: باہمی اتحاد و اتفاق

۲: صبر و ضبط

۳: دشمنوں سے ہوشیار' اور چوکنا رہنا۔ کسی وقت غافل نہ ہونا۔

دنیا میں لوگ اتحاد و اتفاق کی بنیاد مختلف چیزوں کو بناتے تھے اور اب بھی بناتے ہیں۔ کوئی وطن کو' کوئی زبان کو' کوئی رنگ کو' اور کوئی قوم اور نسل کو۔

اسلام ان وحدتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیوں کہ یہ وحدتیں محدود بھی ہیں اور غیر اختیاری بھی۔ جغرافیائی اور وطنی تقسیم بھی مرکز وحدت نہیں بن سکتی اس لئے کہ جو شخص چین کا رہنے والا ہے وہ ہندوستانی نہیں ہو سکتا' جو پاکستانی ہے وہ ترکی اور ایرانی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو کالا ہے وہ گورا نہیں ہو سکتا۔ جس قوم اور قبیلے کی جو زبان ہے وہ طبعی اور قدرتی طور پر بغیر سیکھے وہی زبان بولے گی۔ جو اس میں پچھلی کئی نسلوں سے چلی آ رہی ہے۔ غرضیکہ انسانوں کا اپنا مقرر کیا ہوا کوئی بھی طریقہ اور رواج سب کے لئے اتحاد کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ قرآن اس کا بہت سادہ اور عقلی حل پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ: اللہ کے بھیجے ہوئے نظام پر متحد ہو جاؤ۔ اللہ سے زیادہ عادلانہ اور منصفانہ نظام کوئی انسان یا انسانی طبقہ نہیں بنا سکتا۔ اس لئے عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک ایسے نظام حیات کو اپنا لو اور اس پر اتفاق کر لو جس سے بہتر نظام کا تصور

Marfat.com

ممکن نہیں ہے۔

اتحاد کو کامیابی کی کنجی قرار دینا بالکل بدیہی اور عقلی بات ہے

اتحاد و اتفاق کے محبوب اور پسندیدہ ہونے پر دنیا کے سبھی لوگ متفق ہیں۔ کوئی شخص خواہ وہ کسی علاقے کا رہنے والا ہو۔ کسی بھی عقیدے اور نظریے کا حامل ہو' یہی کہے گا کہ اتحاد و اتفاق بہت بڑی طاقت ہے۔ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو جھگڑے' فساد' اور نا اتفاقی کو پسند کرتا ہو۔

کیوں کہ اتحاد و اتفاق کے بغیر دنیا کا کوئی بڑا کام نہیں ہو سکتا۔ سو آدمی مل کر جو کام کر سکتے ہیں۔ دس دس' پانچ پانچ آدمیوں کی بے شمار ٹولیاں اور گروہ وہ کام نہیں کر سکتے۔

فتح و نصرت' اور کامیابی کی دوسری بنیاد صبر ہے۔ صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اسلام کی زبان میں خلاف طبیعت چیزوں پر نفس کو جمائے رکھنے کا نام صبر ہے۔ صبر کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ نے اور اس کے رسول نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے' ان کا کرنا طبیعت پر خواہ کتنا ہی مشکل اور ناگوار گزرے' بہر صورت انہیں بجا لانا' اور ان کی پابندی کرنا۔

ب: جن باتوں سے اللہ نے اور اس کے رسول نے منع کیا ہے' وہ خواہ کتنی ہی لذیذ' پسندیدہ' اور پرکشش کیوں نہ ہوں' ان سے اپنے آپ کو روکنا۔

ج: کوئی بھی مصیبت اور تکلیف پیش آئے اس پر پریشان نہ ہونا' واویلانہ کرنا' نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔ اور یہ یقین رکھنا کہ ہر راحت اور تکلیف اللہ کی طرف سے ہے۔

نبی علیہ السلام نے مختلف خطبوں میں اہل ایمان کو صبر کی تلقین کی ہے' قرآن حکیم صبر کی فضیلت سے بھرا ہوا ہے۔ جگہ جگہ یہ بات کہی گئی ہے کہ: اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا معین و مددگار ہے۔ صبر اور استقامت

Marfat.com

کے بغیر کوئی اہم کام سرانجام نہیں پا سکتا' صبر کی قوت نہ ہو تو انسان مصائب اور مشکلات کے ہجوم میں ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ جہاں و جیسا مشکل اور کٹھن مرحلہ پیش آجائے تو صبرو استقامت کے بغیر کامیابی سے ہم کنار ہونا مشکل ہو جائے۔ جو قوم صبر اور استقامت سے محروم ہو گی۔ مصائب اور مشکلات کو برداشت کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہو گی۔ وہ کبھی فتح یاب نہیں ہو سکتی۔

تیسری شرط یہ لگائی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ہروقت تیار اور چوکس رہو۔ ان سے غافل ہونا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ قرآن حکیم نے "رابطوا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مرابطہ اس کا مصدر ہے' اس کے معنی ہیں جنگ کی تیاری' اور سامان جنگ سے اس طرح مسلح رہنا کہ دشمن کو اسلامی ریاست کی سرحدوں کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہو۔

اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کو اسلام نے عظیم تر عبادت کا درجہ دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: جو شخص اللہ کی رضا اور خوش نودی کی خاطر ایک رات اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کی خاطر پہرہ دیتا ہے۔ وہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے"۔ ۳ نبی علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے: ہر مرنے والے کا عمل اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اسلامی ریاست کی حفاظت کرنے والے کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے' اور اللہ تعالیٰ اسے قبر کے حساب و کتاب سے محفوظ و مامون فرما دیتے ہیں" ۴

اتنے بڑے اجرو ثواب کی وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کے حکموں کی پیروی اور ان کا نفاذ صحیح معنی میں اسی وقت کر سکتے ہیں جب وہ دشمن کے حملوں اور اس کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہوں' بااختیار ہوں' اگر بے اختیار ہوں' یا خوف کا شکار ہوں تو پھر اللہ کے حکموں کو نافذ تو کیا ان پر اطمینان سے عمل بھی نہیں کر سکتے۔ مسلمان بہت سے ملکوں اور علاقوں میں اس کا مشاہدہ اور تجربہ کر چکے ہیں' اور اب بھی کر رہے ہیں۔

Marfat.com

مذکورہ بالا تین باتوں کے علاوہ چوتھی بات یہ کہی کہ : واتقوا اللہ لعلکم تفلحون اللہ سے ڈرتے بھی رہو۔ امید ہے کہ تم کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار ہو جاؤ گے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے ہر کام کی جو حدود اور آداب مقرر کر دیئے ہیں' ان کو پوری طرح ملحوظ رکھو۔

مسلمانوں کی کامیابی اور فتح و نصرت کی یہ تو مثبت شرائط تھیں' ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بعض سلبی' یا یوں کہیے کہ منفی اور مخالف پہلوؤں کی بھی نشاندہی کی' اور بتایا ہے۔ کہ اللہ کی طرف سے تمہاری مدد اس صورت میں کی جائے گی جب دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھو گے۔ اللہ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے' ان کو کرو گے' اور جن سے روکا ہے' ان سے رک جاؤ گے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں بہت زور دے کر یہ بات کہی گئی کہ مسلمانوں کے لئے یہ لازم اور ضروری ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور حکومتی اور سیاسی معاملات میں ان پر اس حد تک اعتماد نہ کریں کہ وہ کسی مرحلے پر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں۔ مثلاً ایک موقع پر فرمایا : لا یتخذا لمومنون الکافرین اولیاء من دون المئومنین [1] (مسلمان' مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست اور مددگار نہ بنائیں)۔ اور اگر بنائیں گے' اور اللہ کے منع کرنے سے بھی باز نہ آئیں گے تو پھر ان لوگوں کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ جانیں اور ان کا کام جانے۔

ایک جگہ فرمایا--- یا ایھاالذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ۔ [2] (اے ایمان والو۔ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ کہ تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ)۔

ایک اور مقام پر اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں کہا--- یا ایھاالذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم [3] (یعنی اے ایمان والو۔ یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ کیوں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ انہیں مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور تم میں سے

Marfat.com

جو کوئی ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہو گا)۔

یہ پیرایۂ بیان نسبتاً واضح بھی ہے' اور تلخ بھی۔ اس انداز خطاب کے بعد اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ باور کیا جائے کہ وہ لوگ جو اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمن ہیں' وہ ان لوگوں کے دوست اور بہی خواہ ہو سکتے ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں۔!

جس طبقے اور جس گروہ کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا دشمن کہہ رہے ہیں تو وہ کیسے مسلمانوں کا دوست ہو سکتا ہے۔ عقل بھی اس بات کی نفی کرتی ہے کہ دشمن سے خیر خواہی کی امید رکھی جائے۔

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو اس قسم کی جو ہدایات دی ہیں' ان سے ایک سطحی نظر رکھنے والے کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اسلام میں غیر مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی رواداری اور حسن سلوک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حالانکہ بعض دوسری آیات سے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے' آپ کے' آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا گیا۔ ان کی جان' مال اور عزت و آبرو کا ایسے ہی احترام کیا گیا' جیسے خود مسلمانوں کا۔ بلکہ ہر دور میں مسلمان حکمرانوں کا اور مسلمان حکومتوں کا مجموعی طور پر یہی رویہ رہا۔

یہ دیکھ کر ایک عام آدمی کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن حکیم اور سنت رسول میں تعارض ہے؟۔

یہاں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک' ہمدردی' اور غم خواری کی ہدایت کی گئی ہے۔ بجز ان غیر مسلمانوں کے جو مسلمانوں کے ساتھ بر سرپیکار ہوں۔

سورہ ممتحنہ کی آٹھویں آیت میں صاف طور پر یہ بات کہی گئی کہ "جو لوگ تم سے لڑتے نہیں' اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے' ان کے ساتھ تم انصاف اور حسن سلوک کرو" ا

Marfat.com

تجارتی کاروبار' ملازمت اور صنعت و حرفت میں شرکت و تعاون کی بھی اجازت ہے۔ ممانعت جو کی گئی' وہ دلی دوستی اور محبت کی گئی ہے' اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آدمی دوستی اور محبت میں اندھا اعتماد کرتا ہے اور اعتماد کی صورت میں وہ کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیشہ ہی پہنچاتے رہے ہیں۔ تاریخ اس کی گواہ ہے۔

خود قرآن حکیم اس کی گواہی دے رہا ہے--- یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانتہ من دونکم لا یا لونکم خبالا ۔ (اے ایمان والو! اپنوں کے علاوہ کسی اور کو اپنا بھیدی اور راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کوئی کمی نہ کریں گے)۔

قرآن حکیم نے مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے یہ بات کہی ہے کہ مسلمانوں کی عزت اور فتح و نصرت کا تمام تر مدار اس بات پر ہے کہ وہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں' مصائب' اور مشکلات میں بھی ان کے قدم جادۂ حق سے ہٹنے نہ پائیں۔ اپنے' اور اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں بزدلی اور سستی کو اپنے پاس نہ آنے دیں اور زندگی کے ہر معاملے میں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کی فتح' شکست میں بدلتی نظر آ رہی تھی' بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں میدان جنگ میں بے یارومددگار پڑی تھیں' اللہ کے دشمنوں نے نبی علیہ السلام کو بھی مجروح کر دیا تھا اور قریب تھا کہ اہل ایمان ہمت ہار بیٹھیں' اس وقت خداوند قدوس کی یہ آواز سنائی دی--- ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ۔ (نہ سست ہو' نہ غمگین ہو' تم ہی غالب ہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو)۔

لیکن اگر خدانخواستہ ایمان میں کمی ہے' اللہ پر کامل بھروسہ نہیں تو پھر اللہ ہی کا یہ بھی فرمان---- ان ینصر کم اللہ فلا غالب لکم' وان یخذلکم فمن ذالذی ینصر کم من بعدہ (اگر اللہ کی مدد تمہارے شامل حال رہی تو پھر کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکے گا' اور اگر اللہ نے تمہاری مدد نہ کی تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا' "اور تمہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کر سکے گا" مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے)۔

ازل سے لے کر دور حاضر تک مقابل فوجوں کی تعداد اور سامان جنگ کی کمی بیشی

Marfat.com

کو جنگی حکمت عملی میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے عام تاثر یہی ہے کہ بڑی فوج جس کے پاس ہتھیار بھی زیادہ اور موثر ہوں چھوٹی فوج پر فتح حاصل کرتی ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کیونکہ اس دنیا کو خدا نے اسباب و علل کی دنیا بنایا ہے۔ مسلمان کو بھی اسی لئے جنگ کی پوری تیاری رکھنے اور ذرائع جنگ مہیا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ تعداد کی قلت و کثرت پر کامیابی و ناکامی کا انحصار نہیں۔ کوئی اور تو ان عوامل پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ لیکن مومن تعداد کی کمی یا زیادتی سے بے پروا ہو کر صرف خدا کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے۔ کہ کامیابی کا دارومدار رضائے الٰہی پر ہے۔ اسی تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کتنی بار چھوٹا دستہ خدا کے حکم سے بڑی فوج پر غالب آگیا ہے۔" (البقرہ ' ۲۴۹)

اسلامی تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں کہ جب مسلمانوں کو ان کی کمزوری اور تعداد کی کمی کے باوجود فتح سے ہم کنار کیا گیا جنگ بدر اس کی بہترین مثال ہے کہ جب مسلمانوں کو قلت تعداد و ذرائع کے باوجود اللہ نے کامیاب فرمایا۔ ارشاد ہے: بدر میں اللہ اس وقت تمہاری مدد کر چکا ہے جب تم کمزور تھے۔" (ال عمران ' ۱۲۳)

دشمن ایک ہزار کی تعداد میں سامان جنگ سے لیس ہو کر مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرانے آیا تھا۔ جب کہ مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں۔ صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے نکلے تھے اور خدا نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا اور پھر چشم فلک نے یہ نظارہ دیکھا کہ چند نفوس نے باطل کے طوفان کے آگے بند باندھ کر اس کا رخ موڑ دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خدا نے انہیں کامیاب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور خدا کے فیصلوں کو کون ٹال سکتا ہے۔ اگر کبھی مسلمانوں کو اپنی طاقت کا زعم ہوا جیسا کہ حنین میں پہلی بار ان کی تعداد دشمن سے زیادہ تھی تو انہیں احساس دلا دیا گیا کہ محض طاقت بے معنی اور لا حاصل ہے۔ اصل شے اللہ کی مدد و نصرت ہے۔ ارشاد ہوا:

اللہ نے تمہیں کئی مقامات پر کامیابی بخشی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر

Marfat.com

اترائے تو کوئی شے تمہارے کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر گئے۔" (توبہ ' ۲۵)

ان واقعات و شواہد سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مومن کبھی بھی فتح و شکست کا انحصار تعداد کی کمی یا زیادتی پر نہیں سمجھتا اسے خدا کی ذات پر بھروسہ ہوتا ہے اور خدا نے بارہا مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنا مضبوط اور قوی دشمن کے خلاف کامیابی عطا فرمائی ہے۔ ماضی قریب میں پاکستان کی ۱۹۶۵ء کی جنگ اور جہاد افغانستان اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

اس ساری گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو خدا کے دین کے تابع کرتے ہوئے اس کی اطاعت کریں اور تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ یہ ایک منطقی بات ہے کہ جو قوم دنیا سے شر' ناانصافی اور معصیت کو مٹانے کا ارادہ لے کر جہاد کے لئے نکلتی ہے۔ اس کا اپنا کردار اس ضابطہ حیات کا آئینہ دار ہونا چاہیے کہ جسے وہ نافذ کرنا چاہتی ہے۔ ایسی صورت میں ہر مشکل کے وقت خدا کی مدد شامل حال ہو گی۔ اور دنیا کی کوئی طاقت مومن کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

بہرکیف مسلمانوں کے عروج و زوال کی پوری تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ان کی شکست ہمیشہ دو باتوں کی وجہ سے ہوئی۔ یا تو اس لئے کہ ان میں اتحاد و اتفاق نہ تھا۔ یا اس لئے کہ انہوں نے غیروں پر بھروسہ کیا' اور ان کی سازشوں نے انہیں شکست[۱] سے دوچار کیا۔

Marfat.com

باب: ۹

حواشی و حوالہ جات

۱: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۰۳

۲: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۲۰۰

۳: الجامع الصحیح۔ بخاری۔ کتاب الجہاد

۴: سنن ابی داؤد۔ کتاب الجہاد

۵: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۲۸

۶: القرآن: ۶۰ (الممتحنہ)، ۱

۷: القرآن: ۵ (المائدہ)، ۵۱

۸: القرآن: ۶۰ (الممتحنہ)، ۸

۹: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۱۸

۱۰: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۳۵

۱۱: القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۶۰

[۱۰] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱: تفسیر معارف القرآن۔ مفتی محمد شفیع۔ جلد: ۲

بضمن تفسیر آیۃ: واعتصموا بحبل اللہ جمیعا

[۱۱] و تفسیر: یا ایھا الذین امنوا اصبروا وصابروا

۲: تفسیر معالم القرآن۔ مولانا محمد علی الصدیقی۔ جلد: ۴،
انہی آیات کی تفسیر کے ضمن میں۔

نیز: تفسیر ضیاء القرآن۔ صاحبزادہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

Marfat.com

مراجع و مصادر

القرآن الکریم

ابن اثیر: ابوالحسن علی بن ابی الکرم (م: ۶۳۰ھ)
۱۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ طبع: مکتبہ اسلامیہ قاہرہ۔ ت۔ن
ابن جوزی: جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن (م: ۵۹۷ھ)
۲۔ الوفا باحوال المصطفیٰ۔ طبع: مکتبہ نوریہ لاہور ۱۹۷۷ء۔
ابن سید الناس: محمد بن محمد شافعی (م: ۷۳۴ھ)
۳۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر۔ طبع: دارالمعرفہ بیروت۔
ت۔ن۔
ابن قدامہ: عبداللہ بن احمد بن محمد۔ (م: ۶۲۰ھ)
۴۔ المغنی: طبع: قاہرہ مصر ۱۳۶۷ھ۔
ابن کثیر: عماد الدین اسماعیل بن عمر۔ (م: ۷۷۴ھ)۔
۵۔ البدایۃ والنہایہ۔ طبع: مطبعہ السعادہ مصر ۱۳۵۱ھ۔
ابن تیمیہ: احمد بن عبدالحلیم حرانی (م: ۷۲۸ھ)
۶۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول۔ طبع: مطبع نشر السنہ ملتان۔
ت۔ن۔
ابن قیم الجوزی: محمد بن ابی بکر۔ (م: ۷۵۱ھ)۔
۷۔ زادالمعاد فی ہدی خیر العباد۔ طبع: مکتبۃ المنار الاسلامیہ بیروت ۱۹۷۹ء
الازہری: محمد کرم شاہ۔ صاحبزادہ پیر۔
۸۔ ضیاء القرآن۔ طبع: مکتبہ ضیاء القرآن لاہور
ابن ماجہ: ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی (م: ۲۷۵ھ)۔
۹۔ سنن ابن ماجہ۔ طبع: دار احیاء التراث العربی بیروت۔
ابوداؤد: سلیمان بن اشعث سجستانی (م: ۲۷۵ھ)

Marfat.com

۱۰۔ سنن ابی داؤد۔ طبع : دار الفکر بیروت۔ ت۔ ن۔
احمد بن حنبل۔ امام۔ (م : ۲۴۱ھ)۔
۱۱۔ مسند امام احمد بن حنبل۔ طبع : المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۷ء
بخاری : ابو عبداللہ اسماعیل بن ابراہیم (م : ۲۵۶ھ)
۱۲۔ الجامع الصحیح۔ طبع : اصح المطابع کراچی۔ ت۔ ن۔
بیہقی : ابوبکر احمد بن حسین (م : ۴۵۸ھ)۔
۱۳۔ السنن الکبریٰ۔ طبع : دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۵۶ھ
ترمذی : ابو عیسی محمد بن عیسی (م : ۲۷۹ھ)
۱۴۔ جامع ترمذی۔ طبع : ایچ ایم سعید کراچی۔ ت۔ ن۔
جصاص : ابوبکر احمد بن علی الرازی (م : ۳۷۰ھ)
۱۵۔ احکام القرآن۔ طبع : دار الکتب العربی بیروت ۱۳۳۵ھ
شبلی نعمانی۔ (م : ۱۹۱۴ء)
۱۶۔ سیرۃ النبی۔ جلد : ۲،۱۔ طبع : نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
صدیقی : محمد میاں۔ ڈاکٹر۔
۱۷۔ خطبات رسول۔ طبع : اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۷ء۔
۱۸۔ شمائل رسول۔ " " " ۱۹۸۵ء
۱۹۔ سیرۃ خلفائے راشدین۔ طبع : ناشران قرآن لاہور
عثمانی : شبیر احمد۔ علامہ (م : ۱۹۴۹ء)۔
۲۰۔ فوائد قرآن حکیم۔ طبع : دار التصنیف کراچی
غزالی : محمد بن محمد۔ (م : ۵۰۵ھ)
۲۱۔ مکاشفۃ القلوب۔ (اردو ترجمہ)۔ طبع : لاہور ۱۳۹۹ھ۔
قرطبی : ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری (م : ۶۷۱ھ)۔
۲۲۔ الجامع لاحکام القرآن۔ طبع : دار الاحیاء الکتب العربی بیروت ۱۹۶۵ء
قشیری : مسلم بن الحجاج۔ امام۔ (م : ۲۶۱ھ)
۲۳۔ الجامع الصحیح۔ طبع : اصح المطابع کراچی۔ ت۔ ن۔

Marfat.com

کاندھلوی: محمد ادریس- مولانا- (م: ۱۹۷۴ء)
۲۴- علم الکلام: طبع: مکتبہ صدیقیہ ملتان- ت- ن-
۲۵- عقائد الاسلام- طبع: مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۶- اصول اسلام- طبع: دعوہ اکیڈمی اسلام آباد ۱۹۹۱ء
۲۷- معارف القرآن- طبع: مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۹۸۲ء
۲۸- سیرۃ المصطفیٰ- طبع: مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۹۷۹ء
کاندھلوی: محمد علی الصدیقی- مولانا- (م: ۱۹۹۲ء)
۲۹- معالم القرآن- طبع: سیالکوٹ-
محمد شفیع- دیوبندی- مفتی- (م: ۱۹۷۶ء)
۳۰- معارف القرآن- طبع: ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۶۹ء
۳۱- جہاد- طبع: ادارۃ المعارف کراچی
محمد طیب- قاری- (م: ۱۹۸۳ء)
۳۲- خطبات حکیم الاسلام- طبع: مکتبہ مجیدیہ ملتان- ت-ن-
۳۳- انسانیت کا امتیاز- طبع: ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۶ء
متقی: علاؤالدین علی-
۳۴- کنز العمال- طبع: بیروت ۱۹۸۶ء
مرغینانی: ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی (م: ۵۹۳ھ)
۳۵- الہدایہ- طبع: مکتبہ رحیمیہ دیوبند بھارت- ت- ن-
ندوی: سید سلیمان- (م: ۱۹۵۳ء)
۳۶- سیرۃ النبی- جلد ۳- ۶- طبع: نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
نعمانی: محمد منظور مولانا-
۳۷- معارف الحدیث- طبع: مکتبہ رشیدیہ ساہیوال- لاہور
۳۸- دین و شریعت- طبع: مکتبہ الفرقان لکھنؤ بھارت- ۱۹۵۶ء
۳۹- اسلام کیا ہے- طبع: لاہور- ت- ن-

Marfat.com

عُلومُ القرآن

مقدّمہ وتدوین

ڈاکٹر محمّد میاں صدّیقی

ناشر
پروگریسو بکس
۴۰-بی، اُردو بازار لاہور
فون: ۷۳۵۲۷۹۵

Marfat.com